نمل

قسط نمبر 17

نمرہ احمد

نمل (نمرہ احمد)

قسط نمبر (17):

''آدمی کے دو دِل''

''ساری امید ترک کر دو، اے اندر داخل ہونے والے!''
میں نے دیکھے یہ الفاظ افسردہ رنگ میں لکھے
جہنم کے دروازے کی چوٹی پہ۔
پوچھا ''ان کا مطلب کٹھن ہے میرے لئے اے استاد۔''
اور کسی تجربہ کار کی طرح ور جل بولا
''یہاں تمام شک ترک کر دیا جانا چاہیے
یہاں ساری بزدلی مٹا دینی چاہیے۔
ہم اس جگہ آ چکے ہیں،
کیا تھا جس کا ذکر میں نے تم سے
تم دیکھو گے یہاں دردناک لوگوں کو
جو حکمتِ خیر سے محروم ہو چکے ہیں۔''
یہ کہہ کر تھاما اس نے میرا ہاتھ محفوظ انداز میں،
اور جب مجھے کچھ اطمینان ہوا تو وہ
لے گیا مجھے پر اسرار جگہ کے اندر
وہاں آہ و بکا، شکایات، بین
گونجتے تھے بنا ستارے کی ہوا میں
ان کو سن کر اسی جگہ
میں بہت رویا!

مختلف زبانیں، بولیاں خوفناک۔
غصے کے تلفظ، درد کی باتیں
اونچی کرکش آوازیں، ساتھ ہاتھوں کی دھمک
کسی گولے کی طرح اس سیاہ،
دائمی ہوا میں گھوم رہی تھیں۔
اور میں، جس کا سر خوف سے بندھا تھا، بولا
''اے استاد، یہ کیا سنتا ہوں میں؟
کون ہیں یہ درد سے مغلوب لوگ؟''
وہ کہنے لگا مجھ سے۔
''اس بد بخت طریقے سے رکھی گئی ہیں
ان لوگوں کی اداس روحیں، جو
رہتے تھے بدنامی یا نیک نامی کے بغیر۔
نہ یہ باغی تھے خدا سے
نہ ہی وفادار تھے اس کے
بلکہ جیتے تھے صرف اپنی ذات کے لئے۔
جنتوں نے ان کو نکال دیا، کہ انصاف کم نہ ہو جائے،
اور جہنم کے نچلے گڑھے ان کو لینے پہ راضی نہیں
کہ جہنمیوں کو ان سے کوئی شان نہیں مل سکتی......
دنیا ان کو اب کوئی شہرت نہیں دے گی۔
راحت اور انصاف، دونوں ان کو حقیر سمجھتے ہیں۔
سو ان سے مخاطب نہ ہو، بس دیکھو اور گزر جاؤ۔''

Dante Aligheri

(Inferno) (La Divine Commedia)

پولیس موبائلز کی نیلی سرخ بتی جل بجھ رہی تھی۔ اہلکار ہتھکڑی لگے فارس کو ایک وین میں بٹھا رہے تھے۔

''مسز زمر' ہمیں گھر کی تلاشی لینی ہے۔'' سرمد شاہ نے قریب کھڑی لیڈی پولیس اہلکاروں کی طرف اشارہ کرتے اسے مخاطب کیا۔ زمر کا ذہن مفلوج تھا۔ اس نے لیڈیز اہلکاروں کو دیکھا' پھر اے ایس پی کو۔ ذہن بیدار ہونے لگا۔ اس نے ایک ہاتھ دروازے کی ناب اور دوسرا چوکھٹ کی لکڑی پہ جمایا۔ سفید پڑتے چہرے کو سخت بنانے کی کوشش کی مگر جب بولی تو آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

''اتنے سال جتنے کام کیے ہیں میں نے آپ کے، یا آپ نے میرے، کیا ان میں سے کوئی اس قابل ہے کہ آپ ہمارے گھر داخل نہ ہوں؟''

''مسز زمر' میرے پاس سرچ وارنٹ ہے' لیکن ابھی مجھے یاد آیا کہ مجھا پنے بیٹے کو دس منٹ کی کال کرنی ہے۔'' سختی سے کہتے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''دس منٹ بعد میں آپ کے گھر میں داخل ہوں گا۔''

زمر نے جلدی سے اثبات میں سر ہلاتے دروازہ بند کر دیا۔ پھر مڑی تو دھکا سا لگا۔ سامنے حنین اور سیم کھڑے تھے۔ خوفزدہ' پریشان۔

''وہ ماموں کو لے گئے' زمر؟ اب کیا ہوگا؟'' حنین بہت ڈر گئی تھی۔ سیم کو کہنی سے پکڑ رکھا تھا۔ زمر آگے آئی۔ حنہ کی آنکھوں میں دیکھا۔

''حنین' پولیس نے ہمیں دس منٹ دیے ہیں۔ پھر وہ گھر کی تلاشی لیں گے۔''

''اوہ گاڈ۔'' حنہ نے سیم کی کہنی چھوڑی۔ ''بیسمنٹ۔ ہمارے کاغذ۔ ہمارے لیپ ٹاپس' موبائلز۔ ان کو غائب کیسے کریں؟''

''اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' زمر سیم کے پاس آئی جو بالکل چپ' الجھا ہوا کھڑا تھا۔ زمر نے اس کے دونوں ہاتھ تھامے۔ اس کے ہاتھ سرد تھے' سیم کے گرم تھے۔

''آپ خوفزدہ ہیں' پھپھو؟''

زمر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے نم آنکھوں سے سر ہلایا۔ ''میں بہت' بہت خوفزدہ ہوں۔''

''میں آپ کے ساتھ ہوں' آپ مت ڈریں!'' وہ فکرمندی سے بولا تھا۔

''سیم... میری بات سنو!'' وہ بے ربط سانسوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔ ''سعدی نہیں ہے' فارس بھی نہیں ہے' اس گھر میں کوئی مرد نہیں ہے' سوائے... سوائے تمہارے۔ اسامہ تم آج سے اس گھر کے بڑے مرد ہو۔ میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو کہ تم اس گھر کے بڑے مرد ہو۔''

''میں.. اس گھر کا... بڑا مرد ہوں۔'' اس نے زمر کے ہاتھ تھامے دہرایا۔

''اوکے!'' اس نے چند گہرے سانس لئے۔ ''اب تم کچن کی کھڑکی سے باہر کودو' پولیس تمہیں نہیں روکے گی۔ ہاشم کی بالکونی میں جاؤ۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ دروازے کا شیشہ unbreakable ہے۔ لیکن اگر وہ نہ کھولے تو تم گملا اٹھا کر اسکے دروازے پہ تب تک مارتے رہو جب تک وہ نکل نہیں آتا۔ جب وہ نکلے' تو تم اس کو کہو گے کہ زمر آپ کو بلا رہی ہے۔ اور اسامہ' تم اس کو لئے بغیر واپس نہیں آؤ گے۔''

اسامہ ہاتھ چھڑا کر کچن کی طرف بھاگا۔ زمر نے بے اختیار کنپٹی مسلی۔ فارس کی بے یقینی' ایک دم اتنی ساری پولیس کی نفری کا ان کے سامنے ہونا' جیسے حملہ کرنے کو تیار ہوں' ابا کی غیر موجودگی' وہ طے نہیں کر سکی کہ کیا زیادہ بھیانک تھا۔

دس منٹ بعد دروازہ کھٹکنے لگا۔ زمر نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھا۔ سامنے سیم کے ساتھ ہاشم چلتا آ رہا تھا، ایسے کہ سیم نے اس کی آستین کلائی سے پکڑ رکھی تھی۔

''شکر آپ آ گئے ہاشم!'' اس نے دروازہ کھول دیا۔ ہاشم پریشانی اور قدرے غصے سے پولیس اہلکاروں کو دیکھتے ان تک آیا۔

''زمر کیا ہو رہا ہے یہ؟ فارس کو اریسٹ کر کے لے گئے وہ؟ مجھے پہلے کیوں نہیں بلایا؟ اور اس کو گرفتاری کیوں دینے دی ہاں؟'' زمر کے پیچھے کھڑی حنین بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ (تم قتل کرو ہو یا کرامات کرو ہو؟)

''ہاشم مجھے خود نہیں معلوم، سب بہت جلدی میں ہوا۔'' زمر نے ان دونوں کو اندر آنے دیا اور دروازہ بند کر دیا۔ اے ایس پی اب سائرن پہ ان کو دروازہ کھولنے کا کہہ رہا تھا۔

''ان کو میرے گھر سے نکالیے ہاشم۔ کسی بھی طرح۔ یہ یہاں سے کچھ بھی لئے بغیر جائیں گے۔ پلیز!'' اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔ ہاشم نے لمحے بھر کو ان آنکھوں میں دیکھا، اور پھر واپس باہر نکل گیا۔ سیم بھی ساتھ گیا۔ زمر اور حنہ اونچی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھنے لگیں۔

ہاشم اے ایس پی سے سختی سے کچھ کہہ رہا تھا، وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ہاشم نے موبائل پہ نمبر ملا کر چند الفاظ کہے اور پھر فون اے ایس پی کو دیا۔ وہ متذبذب سا (اس امر سے ناواقف کہ جسٹس سکندر کی طرف سے آنے والے احکامات اسی شخص کے ہوتے ہیں) فون پہ یس سر، یس سر کرتا رہا پھر ناخوشی سے فون ہاشم کو تھمایا اور اہلکاروں کو اشارہ کیا۔ ہاشم اب سختی سے ان کو باہر دفعان ہونے کا کہہ رہا تھا۔

''ہاشم ہماری مدد کیوں کر رہے ہیں؟''

''اس نے ہمیشہ کی طرح یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ ہمارا سب سے بڑا مخلص ہے۔'' زمر دبی سرگوشی میں بولی۔ نظریں وہیں جمی تھیں۔ سیم بھی سنجیدہ سا وہیں کھڑا تھا۔ اس دن لگا وہ بڑا ہو گیا ہے۔ سعدی کی طرح۔

اہلکار اب واپس جا رہے تھے، ان کو گھر سے کچھ نہیں ملا، یہی لکھنا تھا اب۔ پھر ہاشم اندر آیا۔

''پولیس اب آپ کو تنگ نہیں کرے گی، میں نے ان کا دماغ درست کر دیا ہے۔ لیکن یہ قمر الدین چودھری کون ہے؟'' نا سمجھی سے زمر کو دیکھتے پوچھا۔ اس نے تکان سے شانے اچکائے۔ ''مجھے کچھ نہیں پتہ۔ فارس تو یہ سمجھ رہا ہے کہ اسے اس کیس میں میں نے پھنسایا ہے!''

''اوہو'' اس نے افسوس کیا۔ ''آپ لوگ ہماری طرف آ جائیں، یہاں اکیلے رہنا درست نہیں۔''

''نہیں ہاشم، ہم ٹھیک ہیں۔ گھر کے باہر آپ کے گارڈز ہیں نا۔ ہمیں کس کا ڈر ہوگا۔'' بہت ممنونیت سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''اور جو آج رات آپ نے کیا، اس کا بدلہ میں کیسے اتار پاؤں گی!''

''ایسے مت کہیں، ہم فیملی ہیں۔'' وہ نرمی سے بولا، پھر گھڑی دیکھی۔ ''مجھے ایک ڈنر پہ جانا ہے، آر یو شیور آپ لوگ ادھر ٹھیک ہیں؟''

''ہم ٹھیک ہیں۔'' حنین پہلی دفعہ بولی، وہ بھی بے رخی سے۔ ہاشم نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا، ہلکا سا مسکرایا، اور سر کو خم دیا۔ حنین کے دل میں کچھ ڈوب گیا تھا۔ بہت عرصے بعد ''نگاہ'' ملی تھی۔ آہ! وہ کرامات کر کے قتل کرتا تھا!

اس کے جاتے ہی اسامہ سارے دروازے' کھڑکیاں بند کرنے لگا۔ بولٹ' کنڈیاں' لاکس' ایک کے بعد ایک چڑھانے لگا۔ وہ دونوں وہیں صوفے پہ بیٹھ گئیں۔ تھکی تھکی، پریشان۔

''ماموں آپ کو الزام کیوں دے رہے تھے؟'' حنہ کو یاد آیا۔ زمر نے افسردہ نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

''کاردارز کامیاب اس لیے ہوتے ہیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کو سب بتاتے ہیں اور ہم ناکام اس لئے کیونکہ ہم باتیں چھپانے کی غلطی کرتے ہیں۔ ہم نے فارس کو یہ سب نہ بتا کر غلطی کی ہے۔''

''پھر اب ہم کیا کریں؟''

زمر نے گہری سانس لی' بالوں سے پونی کھینچ کر اتاری' اور ان کو جوڑے میں لپیٹتے اٹھی۔ ''پھر یہ کہ ہم اپنی غلطیوں کو ٹھیک کریں!'' رنگت ابھی تک نچڑی ہوئی تھی۔

''مگر کیسے؟ ماموں پھر سے جیل چلے گئے، ہم پھر سے وہیں آ گئے، سب ساڑھے چار سال پہلے جیسا ہو رہا ہے۔''

''کچھ بھی ویسا نہیں ہے۔'' وہ موبائل پہ احمر کا نمبر ملاتے ہوئے بولی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حاصل ہوا ہے کیا مجھے اس بھاگ دوڑ میں

سب منزلوں کو پا کے بھی رسوا تھا میں بڑا

ہارون عبید کی رہائشگاہ کے ڈرائنگ روم میں انٹرویو کی نشست ہو رہی تھی۔ کیمروں کی روشنی۔ ٹاک شو کا عملہ۔ وہ مدھم اور شائستہ انداز میں اینکر پرسن کو سوال کا جواب دے رہے تھے۔ کونے میں کھڑا احمر اپنے ٹیب سے چند پوائنٹس کو چیک کر رہا تھا جب اس کا فون تھرتھرایا۔ اس نے نکال کر دیکھا۔ زمر۔ موقع محل نہیں تھا۔ سائلنٹ کر دیا۔ ایک' دو' تیسری دفعہ بیل آئی تو وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔

''سوری' میں ذرا...''

''احمر' فارس اریسٹ ہو گیا ہے۔'' وہ بے ربط سانسوں کے درمیان بولتی جا رہی تھی اور وہ حق دق سن رہا تھا۔

''بے فکر رہیے میں کچھ کرتا ہوں۔ نہیں' تھانے نہیں جاؤں گا' جا بھی نہیں سکتا۔ میں عبید صاحب سے کسی کو فون کرواتا ہوں۔''

زمر کو ڈر تھا کہ فارس اس کو دیکھ کر غصہ نہ ہو جائے' وہ نہ کہتی تب بھی اس کا نکلنا ناممکن تھا۔

بریک کا وقفہ جیسے ہی لیا گیا' وہ ہارون کے پاس آیا' اور جھک کر سرگوشی میں اپنے دوست فارس غازی کی گرفتاری کا مژدہ کہہ سنایا۔ ''سر آپ ایک کال کر دیں تو وہ اس پہ پرچہ نہیں کاٹیں گے۔''

ہارون نے بے نیاز نگاہ اس پہ ڈالی۔ شلوار سوٹ میں ملبوس، وہ تمکنت کے ساتھ اونچی کرسی پہ بیٹھے تھے۔ ''اوکے میں صبح دیکھتا ہوں۔''

احمر کی آنکھوں میں بے چینی پھیلی۔ ''سر صبح تک دیر ہو جائے گی' ایک دفعہ پرچہ کٹ گیا تو وہ پھنس جائے گا۔''

''احمر!'' انہوں نے ٹھنڈی سی نظر اس پہ ڈالی۔ ''میں نے کہا نا' میں صبح دیکھوں گا۔''

احمر کے اوپر اوس پڑ گئی۔ ''جی بہتر۔'' سنجیدگی سے سیدھا ہوا اور کونے میں جا کھڑا ہوا۔ اب میک اپ گرل بریک کے باعث ہارون صاحب کے بال ٹھیک کر رہی تھی' اینکر موبائل پہ بات کر رہا تھا' کیمرہ مین اور دو افراد کسی بات پہ بحث کر رہے تھے۔ اس سارے شور میں اسے اپنا آپ کسی کمی کمین نوکر سے بڑھ کر نہیں لگ رہا تھا۔

خفگی سے گردن موڑی تو کھڑکی سے باہر نیم تاریک لان میں وہ چلتی نظر آئی۔ کار کے ساتھ کھڑی وہ بیگ اور بلی کی باسکٹ اپنی نگرانی میں اندر رکھوا رہی تھی۔ احمر کو روشنی کی کرن نظر آئی۔ وہ تیزی سے باہر بھاگا۔

''آپ میرا ایک کام کر سکتی ہیں؟'' عقب میں آ کر پکارا تو آبی اپنی ایڑھیوں پہ گھومی۔ اسے دیکھ کر آنکھوں میں شک وشبہ ابھرا۔ ''کیا کام؟''

''آپ مجھے ناپسند کرتی ہیں' اور میرے کام کو بھی جو واقعی شاید کوئی اچھا کام نہیں ہے۔'' وہ ایسے پہلے کبھی نہیں بولا تھا۔ آبی کے ماتھے کے بل غائب ہونے لگے۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''میرا دوست فارس غازی' وہ بے قصور ہے' اور پولیس اس کو گرفتار...'' چند الفاظ اس نے پھولی سانسوں میں ادا کیے۔ ہارون کی بے حسی کا بھی نہ چاہتے ہوئے شکوہ کر گیا۔ آبدار بالکل سن ہو گئی۔

''مجھے یقین ہے اس کو انہی لوگوں نے پھنسایا ہے جنہوں نے سعدی کے ساتھ یہ سب کیا ہے۔ مگر یہ بہت غلط ہو رہا ہے۔''

''آپ اندر جائیں' احمر صاحب۔ میں کروں گی۔'' وہ سنجیدگی سے بولی تھی' اور اس کی آنکھوں میں کوئی عجیب بے بس غصہ بھی تھا جو احمر نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ تھانے کا پوچھ کر' چند مزید سوال کر کے وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ احمر پہلے سے زیادہ ناخوش نظر آنے لگا تھا۔ معلوم نہیں اس نے ٹھیک کیا یا غلط۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس طرح ترکِ تعلق پہ ہے اصرار اب کے
ایسی شدت تو میرے عہدِ وفا میں بھی نہ تھی

رات ہر پل مزید سیاہ اور سرد ہوتی جا رہی تھی۔ زمر کو اس کمرے میں بیٹھے کافی دیر ہو گئی جب اہلکار فارس کو لے کر آئے۔ زمر نے نگاہ اٹھا کر اس کو دیکھا۔ فارس بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالتا سامنے کرسی پہ بیٹھا۔

''ہینڈ کفس!'' زمر نے اشارہ کیا۔ ایک اہلکار نے آگے بڑھ کر اس کی ہتھکڑی کھول دی۔

''آپ اپنے کلائنٹ سے بات کر سکتی ہیں۔'' ایس آئی' جو اس کیس کا آئی او (تفتیشی افسر) بھی تھا' کمرے سے نکل گیا۔ دروازہ بند ہوا تو خاموشی چھا گئی۔

''آپ کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ حنہ اور سیم کو اکیلے چھوڑ کر؟'' وہ درشتی سے گویا ہوا۔

''وہ کار میں ہیں۔ان کی ذمہ داری میرا مسئلہ ہے' میں اٹھالوں گی۔'' پرس سے دو کاغذ نکال کر اس کے سامنے کیے۔

''یہ تمہارے لیگل رائٹس ہیں' یاددہانی کے لئے ان کو پڑھ لو۔ پولیس کے کسی سوال کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔صبح وہ تمہیں عدالت میں پیش کر کے جسمانی ریمانڈ لیں گے۔''

''زمر بی بی مجھے اپنے تمام حقوق معلوم ہیں۔''اس کی آنکھوں میں برہمی سے دیکھا۔''اور آپ میری وکیل نہیں ہیں' اس لئے فکر نہ کریں۔''

''تم چاہو یا نہ چاہو' میں تمہاری وکیل ہوں۔''

''مجھے مقدمے میں پھنسا کر آپ مجھے نکلوانے کی کوشش کا دکھاوا کر کے سب کی نظروں میں معتبر بنا چاہتی ہیں' جانتا ہوں۔''

''فارس ..میں نے ...یہ ...نہیں کیا تمہارے ساتھ!'' وہ تحمل سے بولی۔وہ ہر بات کی تیاری کر کے گھر سے نکلی تھی۔''تمہارے ہر الزام کا جواب ہے میرے پاس' لیکن میں یہاں وضاحتیں دینے نہیں آئی۔تمہیں یہ یاد کرانے آئی ہوں کہ ہم ایک ٹیم تھے اور ٹیم ہیں۔''

وہ انہی چبھتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔''مجھے آپ کے ایک لفظ پہ بھی اعتبار نہیں ہے۔''

زمر نے ضبط سے گہری سانس لی۔اور اٹھی۔''میں جانتی ہوں تم بے گناہ ہو' تم تو شاید اس مقتول کو جانتے بھی نہیں' کجا یہ کہ...''

''میں اس کو جانتا بھی تھا' اور جیل میں اس کو دو دفعہ پیٹا بھی ہوا ہے۔خوش؟'' وہ بھی کھڑا ہوا۔زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

''اس لئے زمر بی بی۔آپ میری وکیل نہیں ہیں۔صبح کورٹ آنے کی زحمت مت کیجئے گا۔''

''اپنے رائٹس پڑھو اور خاموش رہنا۔'' وہ پرس اٹھاتی' اس کو خفا نظروں سے دیکھتی باہر نکل گئی۔

زمر جس لمحے کار میں آ کر بیٹھی تھی' قریب میں ایک لش چمکتی کار آ رکی۔

ڈرائیور نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اندر سے آبدار نکلی۔سرخ اسکارف چہرے کے گرد۔کندھے پہ لمبی چین کے پرس پہ ہاتھ رکھے وہ ایک سوٹ میں ملبوس ملازم کے ساتھ سیدھی آگے چلتی گئی۔

ترکِ دنیا کا سماں' ختمِ ملاقات کا وقت

اس گھڑی اے دلِ آوارہ کہاں جاؤ گے؟

فارس کو دوبارہ لاک اَپ میں بند کر دیا گیا تھا اور وہ سلاخوں کے پیچھے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔غصہ' بے سکونی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔رک کر ایک زوردار مکا سلاخوں پہ مارا تھا۔ہاتھ کی پشت سے جلد پھٹ گئی۔مگر درد کسے ہونا تھا؟ غصہ' بے بسی' ہر چیز پہ غالب تھی۔

تبھی آہٹ ہوئی۔اہلکار آئے۔لاک اَپ کھولا' اور اسے باہر لے آئے۔ایس ایچ او کے روشن سے آفس میں داخل ہوتے وہ ٹھٹکا تھا۔آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔سامنے آبدار بیٹھی تھی۔چائے رکھی جا رہی تھی۔سوٹڈ بوٹڈ ملازم ساتھ کھڑا تھا۔آہٹ پہ آبی نے گردن موڑی۔

''مجھے احمر نے بھیجا ہے۔مگر مجھے دیر ہو گئی۔یہ ایف آئی آر کاٹ چکے ہیں۔''زمی سے کہنے لگی۔کسی نے فارس کے سامنے بھی چائے کا کپ رکھا۔وہ چبھتی نظروں سے آبی کو دیکھتا بیٹھا۔غصہ اب غائب ہو چکا تھا۔

''آپ آج بھی چائے نہیں پئیں گے کیا؟'' آبی نے مسکرا کر سادگی سے کپ کی طرف اشارہ کیا۔

''میم۔آپ کو دیر ہو رہی ہے۔'' باوردی ملازم نے دبے دبے لفظوں سے یاد کروایا۔ آبدار نے گہری سانس بھری۔ اور ایس ایچ او کو دیکھا۔ ''کل بابا آپ کو خود فون کر لیں گے، تب تک مجھے امید ہے کہ آپ ہمارے دوست پہ کسی قسم کا تشدد نہیں کریں گے۔''

''بالکل، آپ بے فکر رہیں۔'' اس نے فرض شناسی سے یقین دہانی کروائی۔ اب کے آبی نے چہرہ گھما کر افسوس سے فارس کو دیکھا۔ ''مجھے شرمندگی ہے کہ میں آپ کے کوئی کام نہیں آسکی۔ میری سری لنکا کی فلائٹ ہے، مجھے ائیر پورٹ پہنچنا ہے۔''

''ایس ایچ او صاحب! ہمیں پرائیویسی مل سکتی ہے؟'' آبدار ذرا چونکی، پھر سر کے خم سے ایس ایچ او کو اشارہ کیا۔ چند ہی لمحوں میں وہ سب وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ روشن کمرے کا دروازہ بند ہوا تو پیچھے خاموشی چھا گئی۔

''جی کہیے؟'' آبدار سکون سے اس کی طرف رخ کیے پوچھنے لگی۔

''آپ سری لنکا جا رہی ہیں؟'' آبی نے سر ہلایا۔

''پوچھ سکتا ہوں کیوں؟'' اس کی نگاہیں آبدار کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

آبدار نے ایک لمحے کے توقف سے جواب دیا۔ ''اپنی ریسرچ کے سلسلے میں۔''

''وہ جو آپ کلینکل ڈیتھ سے گزرنے والے مریضوں پہ کرتی ہیں۔ اچھا۔ ٹھیک۔'' وہ ٹیک لگا کر بیٹھا، انگلی تھوڑی تلے رکھے کچھ سوچا۔ ''یعنی کہ آپ کسی مریض کا انٹرویو کرنے جا رہی ہیں۔''

آبدار نے اس دفعہ دو تین سیکنڈ کا توقف کیا۔ ''جی۔'' اس کی آنکھوں میں سایہ لہرایا تھا۔ وہ غیر آرام دہ نظر آنے لگی تھی۔

''کیا وہ مریض سعدی یوسف ہے؟'' وہ اسی انداز میں بولا۔

آبی کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے۔ ''سوری؟''

''آبدار بی بی!'' وہ آگے کو ہوا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ہلکا سا مسکرایا۔ ''مجھے معلوم ہے آپ کے والد اس کے اغوا اور روپوشی میں ملوث ہیں، اور یہ بھی کہ وہ سری لنکا میں ہے۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ اپنے والد کے لئے کتنی حساس ہیں۔''

''مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' وہ ناراضی سے کہتی اٹھی۔

''واپس بیٹھو!'' وہ اتنے کاٹ دار انداز میں بولا کہ آبی کے کان سرخ ہوئے۔ وہ واپس بیٹھی۔ ''مجھے اونچی آواز سے مت ڈرائیں میں کسی سے ڈرتی نہیں.....'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ہلکا سا غرائی۔

''میں آپ کو اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔ آپ خطرناک ہیں۔ نہ کہ سادہ اور معصوم۔ مگر آپ کا ضمیر زندہ ہے۔ آپ خود اچھی ہیں، مگر برا کرنے والوں کو روکتی نہیں ہیں۔ نیوٹرل رہتی ہیں۔''

''میں آپ کے کسی الزام کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔''

''اس ملک میں آبدار بی بی انصاف ہے نہ قانون۔ یہاں جج' جیوری اور جلاد' میں خود بننا پڑتا ہے۔ اور اگر آپ چاہتی ہیں کہ میری جلاوطنی آپ کی رہائشگاہ تک نہ پہنچے تو آپ کو ایک سائیڈ منتخب کرنی ہوگی۔'' ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔ ''ظالم کی یا مظلوم کی۔ بولئے۔ آپ کس کے ساتھ ہیں؟ اور میری باتوں کو ہلکا مت لیجئے گا۔ یہ ہتھکڑیاں....'' کلائیاں اٹھا کر دکھائیں۔ ''مجھے روک نہیں سکتیں۔''

''مجھے واقعی نہیں پتہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''بی بی' کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں ہوتے۔ یا آپ مظلوم کے ساتھ ہیں یا ظالم کے۔ آپ کس کے ساتھ ہیں؟''

وہ دبے دبے غصے اور بے بسی سے اسے دیکھے گئی۔ بولی کچھ نہیں۔

''اگر وہ زندہ سلامت ہمارے خاندان کو واپس مل گیا تو میں آپ کے خاندان کو چھوؤں گا بھی نہیں' یہ میرا وعدہ ہے۔ آپ کو بدلے میں میرا صرف ایک کام کرنا ہوگا۔'' اس کی آنکھوں سے ایک لمحے کے لئے بھی نگاہ ہٹائے بغیر وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ آبی کی آنکھوں کے کٹورے بھیگے مگر وہ چپ رہی۔ فارس نے ہاتھ بڑھا کر پین ہولڈر سے قلم نکالا' نوٹ پیڈ سے کاغذ پھاڑا' چند لمحے کے لئے سوچا' پھر اس پہ چند حروف لکھے۔ HAMAN اور ان کو کانٹے کا نشان لگا کر کاٹا' پھر کاغذ کو چار تہہ لگا کر اس کی طرف بڑھایا۔ ''یہ اس کو دے دیجئے گا۔''

آبی نے بھیگی آنکھوں سے کاغذ کو دیکھا' مگر چھوا تک نہیں۔ ''یہ کیا ہے؟''

''یہ اس کی آزادی کا پروانہ۔ وہ سمجھ جائے گا۔'' آبی نے کاغذ کو نہیں چھوا۔ فارس آگے بڑھا' اس کا پرس کھولا' اور کاغذ اندر ڈال دیا۔ وہ اسے روک بھی نہ سکی۔ عامل تنویم خود hypnotized ہو چکی تھی۔ فارس نے پیچھے ہو کر بیٹھے' کان کی لو مسلتے اسے دیکھا۔ ''فیصلہ آپ کا ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' ناراضی' غصہ' بے بسی' ہر جذبہ اس کی بھیگی آنکھوں میں ہلکورے لے رہا تھا۔ وہ پرس لیے اٹھی اور دروازے تک گئی۔ پھر رکی۔ ''Confucius نے کہا تھا' انتقام کے سفر پہ نکلنے سے پہلے تمہیں چاہیے کہ دو قبریں کھود لو' ایک اپنے دشمن کی اور دوسری اپنی!''

''تو پھر بے فکر رہیے کیونکہ میں اپنی قبر کھود کر ہی اس سفر پہ نکلا تھا!'' آبی مڑ کر اسے دیکھ بھی نہ سکی' بس تیزی سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اور کچھ دیر میں لٹ جائے گا ہر بام پہ چاند
عکس کھو جائیں گے آئینے ترس جائیں گے

جس وقت زمر واپس کار میں آ کر بیٹھی تو فرنٹ سیٹ پہ موجود اسامہ اور پیچھے بیٹھی حنین بے چینی سے آگے ہوئے۔ ''کچھ پتہ چلا؟''

''ہاں۔ مقتول قمر الدین کچھ عرصہ فارس کے ساتھ جیل میں رہا تھا۔ دس اگست کو اس کو اغوا کیا گیا' اور انتیس اگست کو دو آدمی اس کی لاش اس کے گھر پھینک گئے' پوسٹ مارٹم کے مطابق قتل ۲۸ اور ۲۹ اگست کی درمیانی رات ہوا تھا۔ ان دو آدمیوں میں سے ایک شخص ناظم پکڑا گیا ہے' وہ بھی فارس کے ساتھ جیل میں تھا' اس کی شہادت پہ پولیس نے فارس کو گرفتار کیا ہے۔ ناظم کا کہنا ہے کہ آدمی کو گولی فارس نے ماری تھی۔''

''ظاہر ہے وہ جھوٹ بول رہا ہے۔'' سیم فوراً بولا۔ زمر نے گہری سانس لی۔

''ہاں، ظاہر ہے۔ خیر، کل پولیس فارس کو عدالت میں پیش کر کے جسمانی ریمانڈ لے گی۔''

''جسمانی ریمانڈ کیا ہوتا ہے؟''

''یعنی کہ پولیس کچھ دن کے لئے ملزم کو تھانے میں رکھ کر اس سے تفتیش کرے گی۔'' زمر سیٹ بیلٹ پہنتے ہوئے بتا رہی تھی۔ ''مرڈر کیس ہے، چودہ دن کا ریمانڈ مل سکتا ہے۔ لیکن اکٹھا نہیں۔ تین، تین، پانچ پانچ دن کر کے۔''

''یعنی اتنے دن وہ اس... اس اے ایس پی کی تحویل میں ہوں گے؟'' حنین بے بسی سے بولی تھی۔

''نہیں، یہ کیس اس کے تھانے کا نہیں ہے۔ جو ایس آئی اس کے ساتھ ہمارے گھر آیا تھا، یہ اس کا کیس ہے، سرمد شاہ صرف معاون تھا کیونکہ ناظم کو سرمد شاہ کے علاقے سے اسی کی مدد سے گرفتار کروایا گیا ہے۔''

''یعنی اگر سرمد شاہ نہ ہوتا تو یہ سب اتنا آسان نہ ہوتا۔'' حنین نے کیا سوچ کر یہ کہا تھا، زمر جانتی تھی، مگر اب اس بات پہ کیا تبصرہ کرتی۔

گھر میں ایک عجیب تنہائی کا احساس ہر کونے سے ٹپک رہا تھا۔ ابا اور ندرت کو ان کی واپسی تک لاعلم رکھنے کا فیصلہ کر کے وہ تینوں زمر کے کمرے میں آ گئے۔ دروازے بند کیے، سیم نے ایک ایک چٹخنی اور لاک چڑھایا۔ خوف ان کے آس پاس سانس لے رہا تھا۔

''میں اور حنہ بیڈ پہ سو جائیں گے، تم صوفے پہ سو جاؤ۔'' زمر نے نرمی سے اسے پکارا جو آج ایک دم بڑا بڑا اور سنجیدہ سا نظر آنے لگا تھا۔

''نہیں، میں اپنے کمرے سے میٹرس لے آیا ہوں، نیچے ڈال دوں گا۔ یہ صوفہ بہت سخت ہے اس کے ساتھ کا لاؤنج میں ہے نا، ایک دن میں لیٹا اس پہ تو دو دن کمر دکھی تھی میری۔'' زمر نے بے اختیار اس خالی صوفے کو دیکھا۔ دل کو زور سے کسی نے جیسے مٹھی میں لیا تھا۔

رات قطرہ قطرہ پگھلتی رہی۔ تینوں کھلی آنکھوں کے ساتھ چت لیٹے رہے۔ پھر حنہ بولی۔ ''یہ قتل ۲۸ اگست کی رات کو ہی کیوں ہوا؟''

''ہم دونوں کو پتہ ہے یہ سب کس نے جان بوجھ کر اسی رات کروایا ہے جب ہسپتال والا واقعہ ہوا۔ لیکن...'' وہ الجھ گئی تھی۔ ''وہ یہ سب تبھی کروا سکتے ہیں جب ان کو آگ لگنے سے پہلے معلوم ہو چکا ہو کہ فارس یہ کرے گا! دیکھو آگ کا سن کر ان کا شک کا فارس کی طرف جانا تو بنتا ہے، مگر ان کو 'پہلے' کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟ یہ صرف میرے اور فارس کے درمیان تھا، ہم نے کسی سے فون پہ بھی ڈسکس نہیں کیا۔'' سیم خاموش لیٹا ان کی باتیں سنتا رہا۔ وہ اس سے کچھ نہیں چھپا رہی تھیں۔ گھر والوں سے باتیں چھپانے کے نتائج کبھی اچھے نہیں نکلتے۔

''ہو سکتا ہے ان کو پہلے معلوم نہ ہو، مگر اتفاق سے اسی رات.....''

''اتفاق سے اسی رات اسی شخص کا قتل ہوا جس کا فارس سے کوئی تعلق بھی تھا؟ میں اسے اتفاق نہیں مان سکتی۔''

''کیا کوئی شخص ماموں کا جعلی alibi نہیں بن سکتا؟ کورٹ میں کہہ دے کہ فارس غازی اس رات میرے ساتھ تھا؟''

''استغفر اللہ حنین، یہ جرم ہے، پرجری ہے، گناہِ کبیرہ ہے!'' وہ خفا ہوئی تھی۔ حنہ شرمندہ ہو گئی۔ ''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

ادھر قصرِ کاردار کی اسٹڈی کی کھڑکیوں پہ بارش کی ننھی بوندیں گر رہی تھیں۔ دھندلے شیشے کے پار دیکھو تو ہاشم کے سامنے ناخوش سا خاور

کھڑا تھا۔ ''سر' آپ کو گھر کی تلاشی سے روکنا نہیں چاہیے تھا' میری ساری محنت کو اس ایک چیز نے کمزور کر دیا ہے۔''

''وہ لڑکا میرا دروازہ توڑنے والا تھا۔ میں کیسے نہ کھولتا؟ ہم سب کچھ خود سے شک ہٹانے کے لئے ہی کر رہے ہیں۔''

''یہ بھی ہے۔ بہر حال' میں سب درست کر لوں گا۔ غازی اگلے کئی سال جیل سے باہر نہیں آئے گا۔''

اور ان سب سے دور' تھانے کے نیم اندھیر کمرے میں تیز روشنی کا بلب جھول رہا تھا اور میز کے سامنے بیٹھا آئی او پوچھ رہا تھا۔ ''آغازِ تفتیش ہے' میں آرام سے پوچھ رہا ہوں۔ تمہارا قمر الدین سے کس بات پہ جیل میں جھگڑا ہوا تھا؟''

''آرٹیکل تیرہ کے تحت مجھے خاموش رہنے کا حق ہے۔'' وہ ٹیک لگا کر بے نیاز سا بیٹھا تھا۔

''تم ۲۸ اور ۲۹ اگست کی درمیانی شب کہاں تھے؟'' آئی او نے بھی تحمل سے پوچھا۔

''آرٹیکل تیرہ کے تحت مجھے خاموش رہنے کا حق ہے۔''

اور وہ عجیب' وحشت زدہ سی رات اسی طرح قدم بہ قدم روشنی کی جانب بڑھتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کھلا یہ راز کہ آئینہ خانہ ہے دنیا

اور اس میں مجھ کو تماشہ بنا گیا اک شخص

کولمبو ایک ساحلی شہر تھا۔ ہوا ہمہ وقت پر نم رہتی تھی۔ ساحل کے قریب چند ہوٹلز کی بلند و بالا عمارتیں تھیں۔ ان میں ایک نیلے شیشوں سے ڈھکا ایک اونچا اور عالیشان ہوٹل بھی تھا۔ اس کی ریسپشن پہ روشنیاں' ٹورسٹ' گہما گہمی' غرض ہر وہ عنصر بکھرا تھا جو کسی بھی ہوٹل کا خاصہ ہوتا ہے۔ ایسے میں سرخ اسکارف والی خاموش سی آبدار کو فصیح ریسپشن سے دائیں جانب لے جا رہا تھا۔ وہ سوٹ میں ملبوس' دبلا پتلا' اونچا سا مرد تھا' سر بالوں سے صاف' سیاہ چکنا سا۔ رنگت بھی بے حد سیاہ۔ جیسے کوئی حبشی ہو' اور دانت اتنے ہی سفید۔

''آیئے۔'' وہ گراؤنڈ فلور پہ موجود کھلے سے کچن میں آئے جہاں قطاروں میں کاؤنٹرز بنے تھے اور سفید یونیفارم میں ملبوس باورچی کام کرتے نظر آ رہے تھے۔ فصیح آگے چلتا ہوا پینٹری میں آیا۔ دروازہ بند کیا۔ وہ دونوں اندر تنہا رہ گئے تو اس نے دیوار پہ لگے سوئچ بورڈ کو ہاتھ سے دبا کر ایک طرف سلائیڈ کیا' نیچے ایک کی پیڈ تھا۔ اس نے چار نمبر پریس کیے تو دیوار میں درز سی ابھری اور پھر۔۔۔ دیوار ایک طرف سلائیڈ ہو گئی۔ آگے لفٹ کے بند دروازے تھے۔ اور ساتھ ایک آلہ لگا تھا۔ فصیح نے بٹن دبایا' پھر اپنی تھوڑی آلے میں رکھی' روشنی کی لکیر نکلی' اس کی آنکھ کے retina کو تشخیص کیا' ہرا سگنل بجا اور دروازہ کھل گیا۔

''کتنے لوگ اس جگہ سے آگے جا سکتے ہیں؟'' لفٹ میں سوار ہوتے اس نے پوچھا تھا۔

''صرف تین لوگ۔ میں' اس کچن کا ہیڈ شیف جو ہمارا اہم آدمی ہے' اور ہاشم کاردار۔ ان کے علاوہ کوئی اس لفٹ کو نہیں کھول سکتا۔''

''کیا میری ماں کو بھی اسی جگہ رکھا تھا بابا نے؟'' وہ آہستہ سے بولی۔ فصیح احتراماً خاموش رہا۔

لفٹ ایک فلور نیچے گئی۔ دروازے کھلے۔ آگے راہداری تھی۔ اس کے اختتام پہ ایک اور دروازہ تھا۔ اس کو کھولنے کے لئے تین لاکس تھے۔ پہلے فصیح نے کوڈ داخل کیا۔ آبدار نے کنکھیوں سے دیکھا۔ نائن ٹو تھری سکس۔ پھر انگلیاں رکھیں فنگر پرنٹ او کے ہوا۔ تو اوپر لگے آلے میں تھوڑی رکھی تاکہ شعاع اس کی آنکھ کو شناخت کر لے۔ بالآخر دروازہ کھل گیا۔ اندر ایک لاؤنج سا بنا تھا۔ چند گارڈز ادھر موجود تھے' اور ایک کونے میں بنے کچن میں فلپینو میڈ کام کر رہی تھی۔

فصیح نے آبی کے قریب سرگوشی کی۔ ''یہ میری انجیو ہے۔ اس کو ہم نے یہی بتایا ہے کہ یہ انڈیا میں ہے۔ لڑکے کو بھی یہی معلوم ہے۔''

آبی نے صرف ایک گلہ آمیز نظر اس پہ ڈالی اور آگے آئی۔ سامنے ایک کمرے کے دروازے پہ گارڈز پہرہ دے رہے تھے۔

''آپ دیکھ سکتی ہیں۔ وہ صرف ایک مہمان ہے۔''

''پہلے میں سمجھی تھی کہ صرف وہ قیدی ہے' لیکن یہ گارڈز' یہ ملازمہ یہ سب قیدی ہیں۔'' شاکی نظروں سے اسے دیکھ کر بولی تو وہ خاموش ہو گیا۔

میری آہٹ پہ باہر نکلی تو ان دونوں کو دیکھ کر چونکی۔ نگاہیں آبدار پہ جا ٹھہریں۔ ''مس آبدار!'' اسے حیرت ہوئی۔

''مس آبدار کو سعدی یوسف سے ملنا ہے۔'' آبی میری کو جواب دے کر سنجیدہ سی فصیح کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گئی۔

''یہ ایک عام سا سائنسدان تم لوگوں کے لئے اتنا خاص کیوں ہے؟ تم اس جیسے دس سائنسدان خرید سکتے ہو۔'' بالآخر وہ بول اٹھی۔

''میں نے بھی ہارون صاحب سے یہی کہا تھا۔ لیکن ہاشم نے انہیں شیشے میں اتارا ہوا ہے۔ لڑکے کے پاس ہاشم کے راز ہیں' ان کی حفاظت کے لئے وہ اسے یہاں مقید رکھنا چاہتا ہے' اسے مار نہیں سکتا' اور چاہتا ہے سارا خرچہ بھی ہم کریں۔'' فصیح بھی ناخوش تھا۔ ''مگر جس دن ہارون صاحب کو لگا کہ یہ بالکل ناکارہ ہے' اس دن وہ اس سے جان چھڑا لیں گے۔''

آبدار کا دل خراب ہونے لگا' مگر چہرے پہ سپاٹ سا تاثر رکھے وہ منتظر بیٹھی رہی۔ انگلیاں وہ مسلسل اضطرابی انداز میں مروڑ رہی تھی۔

آہٹ پہ بھی اس نے جنبش نہ کی' یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے کرسی پہ آ بیٹھا۔ اب کے آبدار نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ چھوٹے گھنگریالے بالوں والا دبلا پتلا نوجوان تھا' جس کی رنگت کملائی ہوئی تھی۔ بیٹھتے ساتھ ہی وہ بغور ادھر ادھر کمرے کا جائزہ لے رہا تھا (فرار کے کسی روزن کی تلاش میں شاید۔) پھر آبدار کو دیکھا۔ اور پھر اس کے عقب میں کھڑے فصیح کو۔

''سعدی یوسف' یہ آبدار عبید ہیں' ایک ہپنو تھراپسٹ۔ تمہیں ان کے ساتھ ایک سیشن کرنا ہے' یہ کاردار صاحب کا حکم ہے۔''

سعدی نے باری باری ان دونوں کو دیکھا' ابرو تن گئے۔ ''کاردار صاحب کو کہو کہ اپنے احکامات اپنے ملازموں تک..'' ان دونوں کی طرف اشارہ کیا ''محدود رکھیں تو بہتر ہو گا۔''

''آرام سے!'' فصیح نے سختی سے ہاتھ اٹھا کر اسے گھورا۔ ''یہ ہارون عبید کی صاحبزادی ہیں' تم...''

''تھینک یو فصیح' کیا تم ہمیں اکیلا چھوڑ سکتے ہو؟'' وہ گردن اٹھا کر فصیح کو حتمی نظر سے دیکھتے بولی تو وہ خاموش ہوا' پھر باہر نکل گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ آبدار نے نگاہوں کا رخ اس کی طرف پھیرا' وہ تندہی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''سو تم ہاشم کاردار کے مہمان ہو۔'' سپاٹ سا گویا ہوئی۔

''آپ کو کیا چاہیے مجھ سے؟'' وہاں بھی اتنا ہی شک و شبہ تھا۔

''مجھے نہیں کرنل خاور کو تمہارے وکیل کا نام چاہیے۔ ڈور نمبر ون' تم مجھے وکیل کا نام بتا دو۔ ڈور نمبر ٹو۔ میں تمہیں hypnosis کے ذریعے کمپرومائیز ڈ پوزیشن میں لے آؤں جہاں تم کمزور پڑ کر اس کا نام لے دو گے۔ اب بتاؤ سعدی یوسف پہل میں کروں یا تم کرو گے؟''

سعدی ہلکا سا مسکرایا اور آگے کو ہوا۔ ''قالوا یموسیٰ اِما اَن تُلقِیَ وَ اِمّا اَن نکُونَ اَوّلَ مَن اَلقیٰ؟ (ان جادوگروں نے کہا' اے موسیٰ پہلے آپ ڈالیں گے (عصا) یا پہلے ہم ڈالیں (اپنی رسیاں) ؟) سو ہاشم کا اگلا پتہ ایک ہپنوٹسٹ کو میرے سامنے لانا ہے؟'' مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''یا تو ہاشم نے آپ کو میرے بارے میں تمام معلومات نہیں دیں' یا آپ نے اس کو ہپناٹزم کے بارے میں تمام معلومات نہیں دیں۔ کیونکہ آپ کسی کو اس کی مرضی کے برخلاف ہپناٹائز صرف تب کر سکتی ہیں جب وہ کمزور اعصاب کا مالک ہو۔ میرے جیسا آدمی اتنی آسانی سے ہپناٹائزڈ نہیں ہوتا۔''

آبدار بس تاسف سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ایک معصوم' نرم' مسکراتا لڑکا جو کیفے میں بیٹھا خود سے بڑی ٹیچر کو سمجھا رہا تھا' وہ کہیں کھو گیا تھا۔ یہ تلخ' طنزیہ' لہجے اور زخمی آنکھوں والا نوجوان کوئی اور تھا۔

''سعدی یوسف!'' اس نے گہری سانس لی۔ ''میں فرعون کے ساحروں میں سے نہیں ہوں۔ کیونکہ ڈور نمبر تھری' یہ ہے کہ تم ان دونوں راستوں سے انکار کر دو اور میں خاموشی سے واپس چلی جاؤں' کیونکہ نہ مجھے تمہیں ہپناٹائز کرنے میں دلچسپی ہے' نہ وکیل کا نام جاننے میں۔ میں کلینکل ڈیتھ پہ ریسرچ کر رہی ہوں' سنا تھا تم بھی کلینکل ڈیتھ کا شکار ہوئے تھے۔ خاور اور بابا کو میں نے یہی کہا ہے کہ مجھے تمہارا تجربہ سننے میں دلچسپی ہے' یہ بھی جھوٹ ہے۔'' ایک سانس میں بولتے ہوئے وہ رکی۔

سعدی نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کر اسے دیکھا۔ ''پھر کیوں آئی ہو تم؟''

''صرف یہ دیکھنے کہ بابا واقعی کسی انسان کو قید کر سکتے ہیں یا نہیں!''

''اوہ اچھا' تو تم انسانی ہمدردی کے تحت آئی ہو۔ یوں کرو' جا کر ہاشم سے کہو' ڈاکٹر مایا کے متبادل کے طور پہ لڑکیوں کو بھیجنا چھوڑ دے۔''

''میں سمجھی نہیں؟'' اس نے واقعی ناسمجھی سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

سعدی اسی طرح زخمی سا مسکرایا۔ ''اگر تمہارے اندر اتنی انسانی ہمدردی ہوتی تو نوشیرواں کو اپنے منگیتر سے یوں بری طرح نہ پٹواتی۔''

آبدار کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ ''کیا؟؟''

''اور اس پہ مستزاد' تم اسی کیفے میں بیٹھی تھی جب تمہارا منگیتر اس کو پیٹ رہا تھا' ایسے ظاہر مت کرو جیسے تمہیں یاد نہیں۔ تم ہماری یونیورسٹی میں کچھ عرصے کے لئے آئی تھیں۔ میں ایک دفعہ کوئی چہرہ دیکھ لوں تو بھولتا نہیں ہوں!'' آنکھوں میں اس لڑکی کے لئے غصہ تھا۔

وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ ''نہ میں تمہیں جانتی ہوں' نہ تم مجھے جانتے ہو تو مجھ سے اتنے خفا کیوں ہو؟''

''تم ہارون عبید کی بیٹی ہو‘ ہارون عبید آئل کارٹیل کا اہم رکن ہے‘ تمہارا چہرہ دیکھ کر مجھے دو سیکنڈ میں ساری کہانی سمجھ آ گئی ہے۔ ہاشم نے مجھے ہارون عبید کے ہاتھوں بیچ دیا ہے۔ ہاشم کا کردار ''فرعون'' ہے‘ جس کے پاس بہت طاقت ہے‘ اور تمہارا باپ‘ جانتی ہو وہ کون ہے؟''

آبدار نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا‘ بولی کچھ نہیں۔

''فرعون کا ایک دوست تھا‘ ایک آدمی جس کے پاس بے انتہا دولت تھی‘ جس کے خزانوں کی کنجیاں کئی لوگ مل کر اٹھاتے تھے۔ اس کا نام تھا ''قارون''۔ فرعون اور قارون‘ دونوں ایک دوسرے پہ انحصار کرتے تھے۔ دونوں ایک سے گناہگار تھے۔ تم بھی ان کی سائیڈ پہ ہو۔''

''میں ان کے کسی کام میں شریک نہیں ہوں۔'' اس کا گلا رندھا۔ ''تم مجھے نہیں جانتے۔ میرے بارے میں اتنے بڑے نتیجے قائم مت کرو۔ نہ میں تمہاری دشمن ہوں نہ ان کے ساتھ ہوں۔ میں غیر جانبدار ہوں!''

سعدی تلخی سے مسکرایا۔ "Those who lived withouten infamy or praise!"

آبدار کو دھکا لگا۔ حیرت اور دکھ سے آنکھیں ساکت ہوئیں۔ ''تم میرا موازنہ Dante کی جہنم کے جہنمیوں سے کر رہے ہو؟ تم کیسے کسی انسان کے بارے میں اتنے ججمینٹل ہو سکتے ہو!''

سعدی چند ثانیے انہی شک و شبے کے سیاہ سرمئی بادلوں کے درمیان گھرا اس کو دیکھتا رہا۔

''اگر تم واقعی ان کی آلہ کار نہیں ہو‘ جس میں مجھے شک ہے‘ اور اگر تم واقعی اتنی ہی غیر جانبدار ہو جتنی تم خود کو ظاہر کر رہی ہو تو یاد رکھنا‘ وہ لوگ جو ظلم کے خلاف آواز نہیں اٹھاتے‘ اور خود بھی کوئی غلط کام نہیں کرتے‘ وہ جو غیر جانبدار ہوتے ہیں‘ اللہ ان کو ان کی نمازوں اور صدقات کے باوجود عذاب سے محفوظ نہیں رکھے گا۔ میں کوئی نیک آدمی نہیں ہوں‘ نہ مجھے خود پہ کوئی غرور ہے‘ مگر میں نے ظلم کے اوپر نیوٹرل رہنے کی بجائے ''سائیڈ'' منتخب کی تھی۔ میں جانبدار ہوں‘ اور مجھے فخر ہے اپنی جانبداری پہ۔ سو میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں ینگ لیڈی۔'' آگے کو جھکے‘ اس کی آنکھوں میں دیکھتے‘ چبا چبا کر بولا۔ ''غیر جانبدار رہنے والوں کو فلاح اور بقا کی ساری امید ترک کر دینی چاہیے۔ کیونکہ جب عذاب آئے گا‘ تو وہ صرف ان لوگوں پہ نہیں آئے گا جو برے کام کرتے تھے۔ اللہ نے نہیں بنائے کسی آدمی کے سینے میں دو دل۔ اگر آپ کا دل اچھے لوگوں کے ساتھ نہیں ہے تو وہ برے لوگوں کے ساتھ ہے۔'' کرسی جارحیت سے دھکیل کر اٹھا۔ ''ڈور نمبر تھری میں انکار کرتا ہوں‘ تم چلی جاؤ۔ اللہ حافظ۔'' اور کندھے جھٹکتا باہر نکل گیا۔

آبدار گود میں ہاتھ رکھے‘ اسی طرح ڈوبتے دل کے ساتھ بیٹھی رہی۔ پرس میں مڑا تڑا سا کاغذ بھی ویسا ہی رکھا تھا اور اس لڑکے کا انداز اس کاغذ کے لکھنے والے جیسا ہی تھا۔ اس کو جب پہلی دفعہ دیکھا تھا‘ تو وہ کسی کو امید دلا رہا تھا‘ آج جب دیکھا تو وہ امید توڑ رہا تھا۔ یہ وہ نہیں تھا جس کو اس نے کیفے میں دیکھا تھا! وہ کہاں کھو گیا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا، نہ وہ دنیا

یہاں مرنے کی پابندی، وہاں جینے کی پابندی

صبح کی چمکیلی کرنیں چھن چھن کر زمر کے کمرے میں گر رہی تھیں۔ سیم کا میٹرس ہٹ چکا تھا' زمر آئینے کے سامنے کھڑی تیار ہو رہی تھی۔ گھنگریالے بال جوڑے میں بندھے تھے' اور سفید لمبی قمیص کے اوپر وہ بلیک منی کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ تبھی حنہ نے اندر جھانکا۔

''آج کیا ہوگا کورٹ میں؟''

'فارس کو مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جائے گا' پھر پولیس اس کا ریمانڈ لے گی اور اس کو واپس تھانے لے جا کر حوالات میں بند کر دیں گے۔'' اپنا بیگ اور فائلز اٹھا کر وہ گھومی تو چوکھٹ میں کھڑی حنہ نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ بلیک کوٹ' یہ کیس فائلز' یہ کورٹ روم ڈرامز!'' ٹھنڈی سانس لی۔ ''یہ ہمیشہ میری فینٹسی رہے ہیں۔ بی اے کلیئر کرنے کے بعد میں نے سوچا تھا کہ آگے نہیں پڑھوں گی' لیکن اب میرا دل کر رہا ہے کہ میں بھی لاء کروں۔''

زمر جواب دیے بنا اپنی چیزیں اٹھائے باہر آئی۔ حنین ساتھ سیڑھیاں اترتے کہہ رہی تھی۔ ''میں اور سیم بھی آپ کے ساتھ جائیں گے' دیکھیں انکار مت کیجئے گا۔'' وہ سفید اور سیاہ جوڑے میں ملبوس' بال سلیقے سے فرنچ چوٹی میں گوندھے' کندھے پہ لمبی اسٹریپ کا پرس لیے تیار تھی۔ تیار تو سیم بھی تھا۔ کالر کف والی ڈریس شرٹ' اور نہا کر گیلے بال سلیقے سے پیچھے کو جمائے وہ صوفے پہ بیٹھا' بوٹ کے تسمے باندھ رہا تھا۔ زمر نے گہری سانس لی۔

''تم دونوں کہیں نہیں جا رہے۔ فارس کو برا لگے گا۔''

''میں جیل بھی گئی تھی ایک بار' جب وہ ہتھکڑیوں میں ہوں تو زیادہ احتجاج نہیں کرتے۔ خیر آپ نہ لے کر جائیں' ہم ٹیکسی کر لیں گے۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔'' زمر نے شانے اچکا دیے۔ وہ دونوں پرجوش سے اس کے ساتھ باہر نکلے تھے۔

سیشن کورٹ کے احاطے کے باہر جب زمر نے کار روکی تو حنہ نے ستائشی نظروں سے دور اس قدیم طرز کی عمارت کو دیکھا۔ ''مجھے بھی لائیر بننا ہے زمر!'' اور ایک عزم لئے باہر نکلی۔ زمر آہنی گیٹ تک اسی خاموشی سے آئی' پھر رکی' حنہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ ''میرا ہاتھ پکڑ لو!'' حنین کی آنکھوں میں خفگی اتری' اسے بہت برا لگا تھا۔ ''اللہ۔ زمر میں کوئی بچی تھوڑی ہوں۔''

زمر کچھ کہتے کہتے رکی' اور پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ دونوں اس کے دائیں بائیں چلتے ساتھ آئے۔ گیٹ کے اندر سیم مردوں والے حصے سے گزر گیا۔ وہ خواتین کی تلاشی والے کمرے سے گزریں۔ سامنے کچہری کے وسیع میدان نظر آ رہے تھے۔ کہیں سبزہ' کہیں عمارت۔ حنین نے قدم بڑھایا تو دل جوش سے بھر گیا۔ پہلی دفعہ کورٹ جا رہی تھی۔ واؤ۔ ماموں کی گرفتاری اور متوقع ڈانٹ کا احساس بھی بھول گیا۔

چند ہی قدم کا راستہ طے کر کے حنین کو احساس ہوا کہ وہاں بہت لوگ تھے۔ اکثریت براق چمکتی سفید شرٹ اور سیاہ ٹائی و سیاہ کوٹ والے تیز تیز چلتے وکلاء کی تھی۔ لوگ آ جا رہے تھے' تیز تیز۔ ہر قدم کے ساتھ رش بڑھتا جا رہا تھا۔ عورتیں کم تھیں' تھیں تو وہی سیاہ کوٹ' سفید دوپٹے والی' جو بڑے مزے سے کہیں بیٹھی تھیں یا چل رہی تھیں۔ مردوں کی طرح اونچے قہقہے لگا رہی تھیں۔ وہ تینوں قدم قدم آگے بڑھتے رہے۔

درمیان میں کتنے پلاٹ سے بنے تھے جہاں میزیں ہی میزیں تھیں' ہر ایک پہ کسی وکیل کا نام لکھا تھا' وہ وکلاء کے اوپن ائیر آفس تھے۔ صرف ایک میز؟ اور ان پہ جگہ جگہ لوگ بیٹھے تھے۔ لوگ ہی لوگ۔ حنہ کا دل ایک دم گھٹن کا شکار ہونے لگا۔ مگر وہ چلتی رہی۔

وہاں لوگ اتنی تیزی سے چلتے آرہے تھے گویا سامنے والے سے ٹکرانے کا ارادہ ہو۔ اور اتنا شور کہ الامان۔ کانوں میں بھانت بھانت کی آوازیں پڑ رہی تھیں۔ مختلف زبانیں... بولیاں دردناک... غصے کے تلفظ... درد کی باتیں۔

''جی مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ ہی پلیڈ کریں اور...'' ساتھ سے گزرتے وکیل کی رفتار سے ملنے کی کوشش کرتا ایک شخص کہہ رہا تھا۔

''استغاثہ کے دونوں گواہوں کو ڈس کریڈٹ کرنے...'' کوئی اور قریب میں بولا تھا۔ وہ لاشعوری طور پہ زمر کے قریب ہوگئی جو اطمینان اور سنجیدگی سے چل رہی تھی۔ چند زینے عبور کیے اور وہ عمارت کے اندر داخل ہوئے۔

وہاں بھی مردوں کا وہی سمندر تھا۔ لوگ چڑھے ہی چڑھے آرہے تھے۔ حنین زمر کے مزید قریب ہوگئی۔ اب وہ آگے پیچھے کی بجائے صرف سامنے دیکھ رہی تھی۔ شور ہی شور۔ اور طویل راہداریاں' جن کے اختتام پہ ایک اور راہداری شروع ہو جاتی۔ کونوں میں وکلاء کی میزیں تھیں۔ جیسے جس کو جہاں جگہ مل گئی ہو' بیٹھ گیا ہو۔ اتنی صبح بھی اتنا رش۔ اس نے ایک ساتھ اتنے مرد.. وہ بھی اتنی تیزی سے چلتے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ حنین کا دل گھبرانے لگا' عجیب سی وحشت' خوف سا اسے زیر اثر لینے لگا۔

یکدم ایک راہداری کا موڑ مڑا تو اگلی راہداری' جو برآمدے کی طرح تھی (یعنی ایک طرف عمارت اور دوسری طرف لان تھا) وہاں سے دو پولیس اہلکار زنجیروں میں مقید دو قیدیوں کو لا رہے تھے۔ آف وائٹ میلے میلے کرتوں' جھاڑ جھنکار جیسی داڑھیوں' اور پیلے دانتوں سے ہنستے قیدی جن کے ہاتھ پیر زنجیروں میں تھے' وہ ایک دم سے سامنے آئے تھے' ان کے چہرے... اف... حنہ خوف سے جم گئی' مگر زمر نے کہنی سے کھینچ کر اسے سائیڈ پہ کیا۔ وہ دونوں ہنستے ہوئے انہیں دیکھتے آگے بڑھ گئے۔ حنین کے ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ بمشکل دو قدم مزید چل پائی۔

''مجھے گھر جانا ہے' واپس!'' وہ ہمت ہار چکی تھی۔ زمر نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''میں نے کہا تھا تم لوگوں کو نہیں آنا چاہیے۔''

''میں تو ٹھیک ہوں۔'' سیم واقعی ٹھیک نظر آرہا تھا مگر وہ رو دینے کے قریب تھی۔

''آپ مجھے واپس چھوڑ کر آئیں۔ ابھی اسی وقت۔'' اس نے نم آنکھوں سے زمر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ گہری سانس لے کر واپس مڑ گئی۔

واپسی پہ کورٹ رومز کے کھلے دروازے ان کے بائیں ہاتھ تھے۔ حنہ نے وحشت اور خوف کے احساس کے باوجود گاہے بگاہے اندر جھانکا۔ ایک سو دس دفعہ لعنت ہو امریکی ڈراموں پہ۔ وہ کورٹ رومز بالکل بھی امریکی ڈراموں جیسے نہ تھے۔ ہاں بھارتی فلموں سے تھوڑی بہت مشابہت رکھتے تھے' مگر بھارتی فلموں والے کورٹ رومز گندے میلے اور لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوتے تھے۔ یہ صاف ستھرے تھے۔ لکڑی کا کام بھی سنہرا چمکدار تھا۔ مگر ڈراموں فلموں کے برعکس ان میں وہ کرسیوں کی لمبی لمبی دو قطاریں نہیں تھیں۔ بلکہ کرسیاں تو صرف دو تین پڑی تھیں۔ باقی اوپر جج کا بنچ اور دونوں طرف کٹہرے بنے تھے۔ شور ہی شور۔ وہ ڈراموں والی پر تقدس خاموشی ناپید تھی۔

کار میں واپس بیٹھتے ہوئے اس نے زمر سے کہا تھا۔ ''میں بالکل' بالکل' بالکل بھی وکیل نہیں بننا چاہتی۔'' اور خفگی سے اندر بیٹھ کر دروازے لاک کر دیے۔ سیم کو بھی اندر بٹھالیا۔ وہ ناخوش تھا مگر اسے اپنی بہن کا خیال رکھنے کے لیے وہاں بیٹھنا تھا کیونکہ وہ گھر کا بڑا مرد تھا۔

زمر بار بار گھڑی دیکھتے جب واپس آئی تو مجسٹریٹ کے کمرے کے باہر اسے احمر کھڑا نظر آیا تھا۔ اس نے بھی زمر کو دیکھ لیا۔ سو تیزی سے قریب آیا۔ ''مسز زمر۔'' وہ فکرمند لگ رہا تھا۔ ''میں نے بہت کوشش کی مگر آئی ایم سوری میں پرچہ کٹنے سے نہیں روک سکا۔ ہوا کیا ہے؟''

''اس کو پھر سے فریم کیا گیا ہے۔ مرڈر کیس ہے' اور اس کے پاس alibi بھی نہیں ہے۔''

''اوہ ہو۔'' وہ ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ زمر کو معلوم تھا کہ اسے کس کا انتظار ہے۔

''احمر' آپ کے یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

''وہ میرا دوست ہے۔'' زمر نے گہری سانس لی۔

''فی الحال وہ ایسا نہیں سمجھتا۔'' احمر نے ابرو تعجب سے بھینچے۔ وہ جواباً جتنے مختصر الفاظ استعمال کر سکتی تھی' کر کے ساری کتھا سنا ڈالی۔ احمر کی فکرمندی، پریشانی میں بدلی۔

''جی، میں نے یہی کہا تھا ہوٹل والوں سے کہ میں جسٹس ڈیپارٹمنٹ سے ہوں' اور کیا کہتا؟ اس روز وہ ہارون صاحب کی رہائش گاہ پہ آیا تھا تو اس نے مجھ سے سوال جواب کیے تھے' میں نے محتاط جواب دیے' جھوٹ نہیں بولا۔''

''اور ہاں آپ نے مجھے ٹیکسٹ بھیجا تھا کہ آپ کو کال کروں؟ گیس واٹ' وہ ٹیکسٹ میں نے صبح دیکھا' کیونکہ وہ مجھ سے پہلے فارس کھول چکا تھا۔'' اور اس کی ٹون نہ چاہتے ہوئے بھی ملامتی ہوگئی۔ ''ایسی کیا خاص بات تھی؟''

احمر ایک دم شرمندہ ہو گیا تھا۔ ''وہ تو... کچھ بھی نہیں تھا۔'' ذرا ٹھہر کر بتانے لگا۔ ''میں شادی کر رہا ہوں' فاطمہ سے' کیمپئن ٹیم میں میرے ساتھ کام کرتی ہے' میں اسے منگنی کا کیا تحفہ دوں یہی پوچھنا چاہتا تھا' پلیز برا مت منایئے گا' نہ میں آپ کا کوئی کولیگ ہوں نہ دوست' مگر آپ سے زیادہ میرے حلقہ احباب میں کوئی sophisticated نہیں ہے۔ صرف اس لئے۔ میں غازی کو وضاحت دے دوں گا۔''

زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ ''خیر' مبارک ہو آپ کو۔ مگر اس وقت' آپ کو دیکھ کر وہ کچھ الٹا سیدھا بول دے گا' آپ ابھی چلے جائیں' جب وہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو میں آپ کی ملاقات کروا دوں گی۔'' اور وہ متامل' متذبذب سا لوٹ گیا۔

زمر کافی دیر اس راہداری میں کھڑی رہی۔ لوگ اسی طرح آ جا رہے تھے۔ وہ ویران' اداس نظروں سے سب دیکھتی رہی۔ ذہن بار بار اس کینڈل لائٹ ڈنر میں کی گئی اس کی سلگتی باتوں پہ بھٹک جاتا' مگر نہیں، ابھی یہ سب نہیں سوچنا تھا۔

دفعتاً وہ سیدھی ہوئی۔ پولیس اہلکار اسے لا رہے تھے۔ رات والی جینز اور گرے شرٹ میں ملبوس تھا۔ ایک رات میں ہی شیو بڑھی لگتی تھی۔ زمر کو دیکھ کر اس کی سنہری آنکھیں سکڑیں' ان میں چبھن اتری' مگر منہ میں کچھ چباتا آگے بڑھتا رہا۔ وہ ہلکا سا مسکرائی' مگر اگلے ہی پل مسکراہٹ غائب ہوئی۔ فارس کے قریب' سیاہ کوٹ اور ٹائی میں ملبوس' خلجی صاحب چلتے آ رہے تھے۔

''ڈونٹ یوڈیئر!'' زمر کے سر پہ لگی' تلوؤں پہ بجھی۔ وہ قریب آئے تو وہ بظاہر مسکرا کر خلجی صاحب کی طرف گھومی۔

''آپ یہاں خیریت سے خلجی صاحب؟''

''یہ میرے وکیل ہیں۔'' وہ چبھتی آنکھیں زمر پہ جمائے بولا۔ زمر نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا مگر ہنوز مسکراتے ہوئے بولی۔

''آخری اطلاعات تک تمہاری وکیل میں تھی۔''

خلجی صاحب فون پہ بات کر رہے تھے' سر کے اشارے سے اسے سلام کیا۔ فارس چند قدم چل کر اس کے بالکل مقابل آ کھڑا ہوا' جتنی اجازت اس کی زنجیر اس کو دیتی تھی اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''زمر بی بی.... مجھے آپ سے کسی اچھائی کی امید نہیں ہے۔'' دبی سرگوشی میں بولا۔ وہ اس سے لمبا تھا' زمر کو چہرہ اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھنا پڑ رہا تھا۔

''ان سے ہے؟''

''وہ میرے ساتھ وفادار ہیں۔'' چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔

''اچھا!'' زمر دانت پہ دانت جما کر مسکرائی' پھر سر کو خم دیا اور وہاں سے ہٹ گئی۔ خلجی صاحب فون بند کر چکے تھے' اب اس سے حال احوال دریافت کرنے لگے۔ وہ جواب دیتی چند قدم آگے چلی آئی۔ پھر مزید چند قدم۔ یہاں تک کہ وہ دونوں فارس کی حد سماعت سے دور ہو گئے۔ وہ تیکھی نظروں سے ان دونوں کو بات کرتے دیکھنے لگا۔

چند منٹ بعد وہ واپس اس کی طرف آئے۔ خلجی صاحب نے خوشگوار انداز میں زمر کو دیکھتے فارس کو مخاطب کیا۔ ''تم فکر نہ کرنا' زمر اچھے سے سب ہینڈل کر لیں گی۔ میں پھر اپنے آفس کی طرف جاتا ہوں۔'' فارس کا شانہ تھپکا اور زمر کو گرمجوشی سے الوداع کہہ کر وہ آگے چلتے گئے۔ زمر نے مسکرا کر فارس کو دیکھا۔ ''وفادار' ہاں؟''

''کیا کہا ہے آپ نے ان سے؟'' وہ خشک انداز میں بولا تھا۔ ''بلکہ کس چیز سے بلیک میل کیا ہے ان کو؟ ایک یہی کام تو آتا ہے آپ کو!''

''جب تم چار سال جیل میں لوگوں سے جھگڑ جھگڑ کر اپنے لئے دشمن بنا رہے تھے نا تو میں ایک سیاسی عہدے پہ کام کر رہی تھی۔ یہاں لوگ میری بات ٹالا نہیں کرتے۔'' وہ بھی اتنی ہی تلخی سے بولی تھی۔ ''ہاں میں نے تم سے چند جھوٹ بولے تھے' اَحمر کو بھی ہائر کیا تھا' لیکن تمہارے خلاف نہیں۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جو تم سمجھ رہے ہو۔ دیکھو' ابھی وقت کم ہے' تمہارا نام ابھی پکارا جائے گا۔ اس وقت کو لڑنے میں ضائع مت کرو۔ ویسے بھی زیادہ سے زیادہ تین ہفتے بعد ٹرائل شروع ہو جائے گا' تم ان تین ہفتوں میں جتنے وکیل ڈھونڈ سکتے ہو ڈھونڈ لو' میں کسی ایک کو بھی تمہاری طرف نہیں رہنے دوں گی' اس لئے ان تین ہفتوں کے لئے مجھے اپنا وکیل رہنے دو۔ جس دن ٹرائل شروع ہو' اس دن تم فیصلہ کر لینا۔ مجھے فائر کر دینا' میں چلی جاؤں گی' لیکن اس سے پہلے نہیں۔ اوکے!'' غصے اور سمجھانے والے ملے جلے انداز میں وہ بول بول کر چپ ہوئی تو وہ بھی چند لمحے سوچتا رہا۔ ''آپ کو اگر میرا وکیل رہنا ہے تو ایک کام کریں۔''

زمر گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ ''کہو!''

''شہزا ملک...وہ لڑکی...اے ایس پی کی کزن اور سالی...وہ دو دن پہلے کوما سے نکل آئی ہے، سو آپ نے اس امر کو یقینی بنانا ہے کہ وہ نیاز بیگ کو جیل سے نکلنے نہ دے۔ کیسے! یہ میرا درد سر نہیں ہے!'' حکم صادر کر کے وہ پلٹ گیا۔ زمر اسے دیکھ کر رہ گئی۔ راہداری میں بھانت بھانت کی بولیاں ہنوز گونج رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جسے گئے ہوئے خود سے ایک زمانہ ہوا

وہ اب بھی تم میں بھٹکتا ہے اب بھی آجاؤ

گالف کلب کے سبزہ زاروں پہ زمردی قالین سا چڑھا لگتا تھا۔ فضا میں آتے سرما کی مہک تھی، گھاس بھی گویا لمبا لیٹا یہ نرم گرم دھوپ سینک رہا تھا۔ وہ دونوں گھاس پہ آگے چلتے جا رہے تھے۔ ہارون نے ٹی شرٹ کے اوپر پی کیپ اوڑھ رکھی تھی' اور جواہرات نے گھٹنوں تک آتا سادہ کرتا پہن رکھا تھا' اور بال جوڑے میں بندھے تھے۔ اتنے casual حلیے میں بھی وہ نازک اور خوبصورت لگ رہی تھی۔ پچھلے ماہ اس نے آنکھوں کی کاسمیٹک سرجری (آئی لڈ لفٹ) کروائی تھی جس سے اس کی آنکھیں زیادہ بڑی اور گہری لگنے لگی تھیں۔

''میں تمہیں آج بھی پہلے کی طرح گالف میں ہرا سکتا ہوں۔'' مسکرا کر اس کی طرف چہرہ کر کے بولے۔

''برسوں پہلے میں ایک بے وقوف لڑکی تھی' جو تمہاری باتوں میں آکر تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب دیکھنے لگی تھی۔'' وہ بھی تپا نے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ہارون ٹھہر گئے۔ اس کو قدرے افسوس سے دیکھا۔

''یہ رشتہ ختم کرنے میں تم نے پہل کی تھی۔''

''اتنے دن بعد تم نے بالآخر یہ ذکر چھیڑ ہی دیا ہے تو اپنی تصحیح کر لو ہارون۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے اس کے سامنے آئی اور سرد مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''ہمارے درمیان کبھی کوئی رشتہ نہیں تھا' تم اور میں اچھے دوست تھے' بلکہ دوستوں سے بڑھ کر تھے' پھر ہم نے شادی کا فیصلہ کیا تھا' اور ہمارے خاندان کو اس پہ اعتراض نہیں تھا۔''

''اور پھر تم نے مجھے ٹھکرا کر اورنگزیب سے شادی کی تھی۔''

''یہ وہ چوائس تھی جس پہ میں پچھلے اٹھتیس سال سے پچھتا رہی ہوں ہارون' لیکن یہ مت بھولنا کبھی کہ میں نے تمہیں اس لئے ٹھکرایا تھا کیونکہ تم اپنی ایرانی کزن کے ساتھ انوالوڈ تھے۔ اور تم جانتے ہو کہ میں تمہاری بے وفائی سے واقف ہو گئی تھی' پھر بھی تم کتنے دھڑلے سے میری آنکھوں میں دیکھ کر مجھ سے شکوہ کر لیتے ہو کہ میں نے تمہیں ٹھکرایا تھا۔'' ملکہ کی اٹھی گردن' اور مسکراہٹ ہنوز برقرار تھی۔ ہارون نے گہری سانس لی۔

''تمہیں اتنی پرانی باتیں یاد ہیں' اورنگزیب کی موت کے بعد ان دو سالوں میں...''

''ایک سال دس ماہ میں ...'' اس نے میکانکی انداز میں تصحیح کی مگر وہ کہہ رہے تھے۔ ''کتنی دفعہ میں نے چاہا کہ ہم کم از کم دوستی کے رشتے میں پھر سے منسلک ہو جائیں لیکن تم ہر دفعہ پرانی باتوں کو کیوں درمیان میں لے آتی ہو!''

''ہارون!'' وہ ایک قدم آگے ہوئی اور شیرنی جیسی آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈالیں۔

''تم میرے صرف دوست نہیں بننا چاہتے میں جانتی ہوں' تمہارے پاس ہم سے زیادہ دولت ہے لیکن ہمارے پاس تم سے زیادہ طاقت ہے' ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے' اس لئے ہم ساتھ کام کر رہے ہیں' لیکن میرا اعتماد تم کئی برس پہلے کھو چکے تھے۔ اگر تمہیں دوبارہ سے مجھ سے کوئی تعلق استوار کرنا ہے تو اس کے لئے تمہیں میرا اعتماد چاہیے' اور اعتماد میں بھیک میں بھی نہیں دیتی۔ اسے تمہیں کمانا ہو گا'' اور پھر دلکشی سے مسکرائی۔ ''سو محنت کرو' ہارون۔ شاید کہ تم کھویا ہوا اعتماد کما لو۔'' پھر سر کے خم سے اشارہ کیا۔ ملازم فوراً تابعداری سے کٹ لئے آگے آئے۔ ہارون صرف مسکرائے اور کھیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ دور دور تک پھیلے سبزے کا ہر تنکا دلچسپی سے یہ کھیل دیکھنے کا منتظر تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دل کہ اب ہے لہو تھوکنا ہنر جس کا
وہ کم سے کم ابھی زندہ ہے' اب بھی آ جاؤ

انیکسی تک واپس جاتے ہوئے زمر ان دونوں کو بتا رہی تھی۔ ''پانچ دن کا جسمانی ریمانڈ مل گیا ہے پولیس کو۔ چودہ دن تک وہ اس میں توسیع کرواتے رہیں گے، پھر فارس کو جوڈیشل کر دیا جائے گا، یعنی کہ ..'' ان کے پوچھنے سے پہلے بتانے لگی۔ ''اس کو جیل بھیج دیا جائے گا، اور باقاعدہ مقدمہ شروع ہو گا۔ پہلے پراسیکیوٹر اپنے دلائل دے گا، پھر ہم دیں گے، پھر پراسیکیوٹر اپنے گواہ پیش کرے گا، پھر ہم کریں گے۔ اس کارروائی میں عرصہ لگ جاتا ہے، لیکن سب سے اچھی بات یہ ہے کہ جج مقدمے کے دوران کسی بھی دن کسی بھی وجہ سے ملزم کو بری کر سکتا ہے۔ بے گناہ ثابت کرنا، گناہگار ثابت کرنے سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔'' دونوں جواب میں کچھ نہ بولے۔

مگر گھر کے دروازے پہ پہنچ کر حنہ کے منہ سے ''اوہ'' نکلا اور زمر کا ایک دم دل بیٹھ گیا۔ ندرت کی کار' جس میں صداقت ان کو ڈرائیو کر کے گاؤں لے گیا تھا' وہ وہاں کھڑی تھی۔ ایک دریا کے پار ایک اور دریا کا سامنا! زمر نے لاؤنج کا دروازہ کھولا تو سامنے بڑے ابا فکر مند بیٹھے تھے اور ندرت پریشان سی نظر آ رہی تھیں۔ زمر نے فون بند کر رکھا تھا اور حنہ اپنا فون گھر چھوڑ گئی تھی۔ یقیناً انہوں نے کئی کالز کی ہوں گی۔

''زمر!'' ندرت گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر پریشانی سے اٹھیں۔ ''فارس کو کیوں لے کر گئی ہے پولیس؟ جیسے ہی جواہرات نے بتایا' ہم فوراً آ گئے۔''

''یا اللہ' یہ مسز جواہرات بھی نا!'' حنین غصے سے بڑبڑاتی آگے آئی اور ندرت کو شانوں سے تھام کر واپس بٹھایا۔

''زمر' بتاؤ کیا ہو رہا ہے یہ سب؟'' ابا بھی بے چین تھے۔ وہ تھکی تھکی سی سامنے بیٹھی اور تفصیل' تسلی اور امید سے سب بتانے لگی۔ ندرت بے ساختہ رونے لگی تھیں۔ ''اس ملک میں کوئی قانون' کوئی دستور نہیں ہے کیا؟ جب دیکھو میرے بھائی کو مقدمات میں پھنساتے رہتے ہیں۔

اللہ غارت کرے ان کو۔''

''آمین!''حنہ بڑبڑائی تھی۔اس آمین کہنے میں بھی دل ٹوٹ کر سو بار جڑا تھا۔

ندرت کو حنہ اوپر کمرے میں لے گئی۔باقی سب بھی بکھر چکے اور وہ دونوں اکیلے رہ گئے تو ابا نے آہستہ سے اس سے پوچھا تھا۔

''کیا وہ باہر آجائے گا؟''

'مجھے واقعی نہیں پتہ ابا!''وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ابا غمگین سے بیٹھے اس کے لہجے پہ غور کرتے رہ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دلیلوں سے دوا کا کام لینا سخت مشکل ہے

مگر اس غم کی خاطر یہ ہنر بھی سیکھنا ہوگا

کولمبو کی پُرنم فضاؤں میں لپٹے ہوٹل کی بیسمنٹ میں اٹھا پٹخ جاری تھی۔پہریدار سعدی کے کمرے کی دیوار پہ ایل سی ڈی ٹی وی لگا رہے تھے۔ڈی وی ڈیز کا ایک چھوٹا کارٹن،پھل،چاکلیٹس،خشک میوے،جوس کے ڈبے،نئے کپڑے،تازہ ریلیز ہوئے بیسٹ سیلرز۔سعدی غیر دلچسپی سے ان چیزوں کو دیکھ رہا تھا جو وہ لوگ لا لا کر اس کے کمرے میں رکھ رہے تھے۔وہ سیاہ حبشی صورت فصیح ان کی نگرانی کر رہا تھا۔''ان احسانات کی وجہ؟''اس نے سنجیدگی سے حبشی صورت کو مخاطب کیا۔اس نے ایک اچٹتی نگاہ سعدی پہ ڈالی۔

''یہ ہارون عبید کی طرف سے ہے،وہ سب جو تم نے مانگا تھا۔''

''جس سے مانگا تھا،وہی دیتا تو اچھا تھا۔''وہ بےزار سا اٹھ کر لاؤنج نما کمرے میں آگیا۔کسی نے اسے نہیں روکا۔وہ اس کمپاؤنڈ میں کھلا پھر سکتا تھا،اجازت مل گئی تھی۔وہ ابھی وہاں بیٹھا ہی تھا کہ یکدم فصیح اس کے کمرے سے باہر نکلا اور کلنگ فلم میں لپٹی چیزیں میز پہ پٹخیں۔سعدی منجمد ہو گیا۔اندر اس کا لائٹر،کاٹا،چند کیل وغیرہ تھے۔نگاہیں اٹھا کر فصیح کو دیکھا۔

''سنو مائیکل اسکوفیلڈ،زیادہ اوور اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔''پھر گہری سانس لے کر لہجہ نرم کیا۔''یہاں سے نکلنا ہے تو ہارون صاحب کے لئے کام کرو۔ایک ڈیڑھ سال کی بات ہے،پھر وہ تمہیں آزاد کر دیں گے۔''

''ارے واہ۔یہ سن کر میری آنکھیں بھر آئیں!''وہ طنز سے بولا تھا۔فصیح اسے گھورتا ہوا پلٹ گیا۔میری ساتھ آ کر بیٹھی اور جب وہ دونوں تنہا رہ گئے تو ان نوازشات کی بابت دھیمی سرگوشی میں بتانے لگی۔

''یہ سب مس آبدار نے بھجوایا ہے۔''پہلے کی طرح وہ اب سخت نہیں رہی تھی،شاید لمبی قید سے تنگ آگئی تھی۔''مگر اس لڑکی سے بچ کر رہنا۔''

''ایک اور گڈ کاپ!''اس نے شانے اچکائے۔

''نہیں سعدی!''وہ اس کو سمجھا نہیں پا رہی تھی۔''وہ بری نہیں ہے،مگر وہ بہت چالاک ہے۔دراصل وہ خطرناک ہے۔دیکھو،اس کے باپ کو مسز جواہرات نے شادی کے لئے ٹھکرایا تھا،مگر ان دونوں کے درمیان اب بھی بہت کچھ باقی ہے۔دوستی،کاروبار،چنگاریاں۔''ذرا

سانس لینے کو رکی۔ سعدی بے دلی سے سن رہا تھا۔ ''اور آبدار ہے تو بہت اچھی' مگر میں اس کے ساتھ ہمیشہ غیر آرام دہ رہتی ہوں۔ اس نے اپنی ماں کو کم عمری میں کھویا تھا۔ پھر امریکہ چلی گئی۔ سنا ہے وہاں ایک دفعہ یہ ڈوبنے لگی تو ہاشم نے اس کی جان بچائی۔ تب ہاشم کی شادی کو شاید ایک سال ہوا تھا۔ اس دن کے بعد اس کا دل شہری سے اچاٹ ہو گیا۔ اسے شہری میں صرف خامیاں نظر آتی تھیں' مگر میں گواہ ہوں' ہاشم نے اس سے بے وفائی نہیں کی' نباہ کی بھی کوشش کی' مگر آبدار۔ وہ ہاشم کے دل میں رہتی ہے' اس لئے اس سے دور رہنا سعدی!''

''تو ہاشم نے اس سے شادی کیوں نہیں کی؟'' اسے پہلی دفعہ دلچسپی محسوس ہوئی۔

''ہاشم اپنی طلاق اور باپ کی موت کے بعد سے بہت مصروف رہا ہے' لیکن اب چونکہ وہ دونوں ایک شہر میں ہیں' وہ اسے اپنانے کا ضرور سوچے گا لکھ کر رکھ لو۔''

''رکھ لیا۔ لیکن اگر ہاشم اس کی اتنی پرواہ کرتا ہے تو اس کو میرے پاس بھیجنا نہیں چاہیے تھا۔'' اسے جانے کیوں افسوس ہوا۔

''یہی میں سمجھ نہیں پا رہی۔ ہاشم نے کیوں اسے آنے دیا؟'' میری نے سر جھٹکا۔ تبھی دروازے پہ آہٹ ہوئی۔ میری جلدی سے کچن کی طرف چلی گئی۔ برقی دروازہ کھلا اور اسے سرخ اسکارف کی جھلک دکھائی دی تو اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسی سپاٹ اور معصوم چہرے کے ساتھ چلتی آ رہی تھی۔ سعدی پہ ایک نظر ڈالی، ساتھ موجود گارڈ سے مقامی زبان میں کچھ کہا اور آگے بڑھ گئی۔

چند لمحوں بعد وہ گارڈ کی معیت میں اسی دو کرسیوں والے کمرے میں داخل ہوا تو آبدار سینے پہ بازو لپیٹے ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔ ابرو سے گارڈ کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ دروازہ بند کر کے چلا گیا تو وہ اس کی طرف گھومی۔

''تم نے کہا اللہ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔ تم نے ٹھیک کہا تھا۔ آدمی کے پاس ایک ہی دل ہوتا ہے، مگر میں آدمی نہیں ہوں۔''

''مطلب؟'' وہ مشتبہ نظروں سے اس کو دیکھ رہا تھا جو دروازے کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔

''ڈور نمبر فور، مجھے کرنل خاور کی مدد کرنی ہے، سو مجھے تمہارے وکیل کا نام چاہیے، اگر تم مجھے بتا دو تو میں تمہاری مدد بھی کروں گی، کیونکہ میرے دو دل ہیں، میں.....غیر جانبدار ہوں!''

''اور تم میرے لیے کیا کرو گی؟'' وہ اب بھی مشکوک نظریں اس پہ جمائے ہوئے تھا۔

''یہ فارس غازی نے تمہارے لیے بھیجا ہے۔'' اس نے سینے پہ لپٹے بازو کھولے اور ایک ہاتھ میں پکڑا تہہ شدہ کاغذ دور سے دکھایا۔ وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پہ کھڑی تھی۔

''میں کیسے یقین کروں کہ تم جھوٹ نہیں بول رہی؟''

''میری شکل پہ لکھا ہے کہ میں جھوٹ نہیں بول رہی، خیر تم اس کی لکھائی پہچان لینا، یہ اسی نے لکھا ہے۔ لیکن...'' کاغذ والا ہاتھ پہلو میں گرا لیا۔ ''میں تمہیں یہ تب دوں گی جب تم مجھے وکیل کا نام بتاؤ گے۔'' سعدی آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے کتنے ہی لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''فارس غازی کو معلوم ہے میں کہاں ہوں؟ کس کے پاس ہوں؟''

''اس کو سب معلوم ہے۔ اب نام بتاؤ۔'' وہ جیسے فیصلہ کر کے آئی تھی۔

''تم سچ کہہ رہی ہو، ٹھیک ہے۔'' اس نے گہری سانس لی۔ ''لیکن میں وکیل کا نام صرف ہاشم کو بتاؤں گا۔''

''ہاشم درمیان میں کہاں سے آ گیا؟'' اس کے ابرو ناخوشی سے بھنچے۔

''درمیان میں نہیں۔'' سعدی نے غور سے اسے دیکھتے کہا۔ ''وہ اس وقت تمہارے پیچھے کھڑا ہے۔''

آبدار کرنٹ کھا کر دروازے کی طرف پلٹی۔ وہاں کوئی نہیں تھا... لیکن اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی، سعدی نے ایک دم جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے کاغذ کھینچ لیا تھا۔ سب اتنی تیزی سے ہوا کہ اس نے اگلے ہی لمحے خود کو ششدر اور خالی ہاتھ کھڑے پایا۔

''قید خانہ انسان کو بہت کچھ سکھا دیتا ہے، مس!'' محظوظ سا مسکرا کر وہ چند قدم پیچھے ہٹا اور کاغذ کھول کر ایک نظر ان الفاظ پہ ڈالی۔ پھر نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ شاک سے نکل آئی تھی اور غصہ اس کی آنکھوں میں ابھر رہا تھا۔ ''واپس کرو۔''

''گارڈز کو بلا لو۔ وہی مجھ سے چھین سکتے ہیں اب یہ۔''

''اوکے فائن، اب تمہیں یہ مل گیا، اب مجھے نام بتا دو۔'' ذرا بے بسی بھری خفگی سے سینے پہ بازو لپیٹے بولی۔

سعدی نے ایک دفعہ پھر ان حروف کو پڑھا، کچھ دیر سوچتا رہا، پھر کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ''میں نے کہا نا، ہاشم کو بتا دوں گا نام تو اسی کو بتاؤں گا۔'' آبی نے آہستہ سے کاغذ تھاما۔ کچھ دیر لب کاٹتی رہی۔ غصہ قدرے کم ہوا۔

''تمہیں سمجھ آ گیا وہ تمہیں کیا کہنا چاہتا ہے؟ ہمن کا کیا مطلب ہوا؟'' اچنبھے سے استفسار کیا۔

''خودکشی!'' وہ جل کر بولا تھا۔ اس پیغام پہ جیسے اسے غصہ آیا تھا۔

''اس نے کہا تھا یہ تمہاری آزادی کا پروانہ ہے۔''

''ان کا دماغ خراب ہے۔''

آبدار چند قدم کا فاصلہ عبور کر کے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''اس آدمی کا دماغ ہرگز خراب نہیں ہے!''

''تم نہیں جانتی فارس غازی کو۔'' وہ جھلایا تھا۔ ''وہ ہاتھوں سے سوچتے ہیں، ان کا غصہ ان کی ججمنٹ کو دھندلا دیتا ہے۔ اسی لیے ہمیشہ مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ میں یہاں اتنے مہینے سے قید ہوں، ان کو معلوم ہے میں کہاں ہوں، پھر بھی مجھے بچانے نہیں آئے۔'' وہ شکوہ کر گیا تھا۔

''سعدی یوسف! مجھے نہیں پتہ تم انسانوں کو کتنا پہچانتے ہو، لیکن میں ایک عامل تنویم ہوں، مجھے انسانوں کو پڑھنا آتا ہے۔ اور جس فارس غازی سے میں ملی تھی، وہ ویسا نہیں ہے جیسا تم اس کو جانتے ہو۔ شاید وہ کبھی ویسا رہا ہو، لیکن اب نہیں ہے۔ مجھے نہیں پتہ ان حروف کا کیا

مطلب ہے، لیکن تمہیں ایک بات ذہن میں بٹھا لینی چاہیے۔'' اس کی بھوری آنکھوں کو دیکھتے ہمدردی سے آواز آہستہ کی۔ ''تمہیں یہاں سے نکالنے کوئی نہیں آئے گا۔ نہ میں، نہ فارس غازی، نہ تمہارے خاندان میں سے کوئی اور۔ تمہیں یہاں سے صرف ایک شخص نکال سکتا ہے، اور اس کا نام سعدی یوسف ہے۔ تمہیں اپنے آپ کو خود ریسکیو کرنا ہوگا!''

''آپ کے گارڈز کی مہربانی سے انہوں نے میری لاک پک بھی آج چھین لی ہے!''

''لاک پک؟'' اس کی آنکھیں تعجب سے پھیلیں۔ ''تمہیں لگتا ہے یہ لاک پک سے کھلنے والے دروازے ہیں؟ یہاں ریٹینا سینسرز لگے ہیں سعدی یوسف! ان کو یہ گارڈز بھی نہیں کھول سکتے۔ ویسے میں نے تمہاری پروفائل پڑھی تھی جو فصیح نے بنا کر دی تھی۔ تم سعدی، تم فارس غازی نہیں ہو جو ہر لاک کھول لو گے یا ان گارڈز سے ہاتھاپائی کر کے یہاں سے بھاگ جاؤ گے۔ نہ تمہیں لڑنا آتا ہے، نہ گن چلانی آتی ہے، نہ ان دروازوں کے لاکس کھولنا آتے ہیں۔ فصیح نے بتایا تم نے ہاشم کے ڈاکومنٹس بھی چرائے تھے مگر تم کمپیوٹرز میں بھی اتنے اچھے نہیں ہو، ان کی انکرپشن کو بھی نہیں کھول سکے۔ نہ تم اچھے بلیک میلر ہو۔ نہ ہی پڑھائی میں تم کوئی بہت ہی اعلیٰ وارفع تھے۔ وہ ٹیلنٹ جو تمہارے اردگرد کے لوگوں کے پاس ہیں، وہ تمہارے پاس نہیں ہیں!'' سعدی کی آنکھوں میں شدید ناگواری ابھری۔

''سو تمہارا مطلب ہے مجھے کچھ نہیں آتا۔ ایکچولی جب تمہارے باپ نے مجھے قید نہیں کیا تھا اور میں اپنی دنیا میں رہ رہا تھا تب لوگ مجھے بہت پسند کرتے تھے۔''

''کبھی سوچا لوگ تمہیں کیوں پسند کرتے تھے؟ ہر شخص کے پاس ایک خاص ٹیلنٹ ہوتا ہے، تم لاک پکس جمع کرنا چھوڑ دو کیونکہ وہ تمہارا ٹیلنٹ نہیں ہیں۔ تمہیں ایک ہی چیز کرنی آتی ہے زندگی میں اور اسی چیز کی وجہ سے لوگ تمہیں پسند کرتے ہیں۔''

سعدی کے ابرو تعجب سے اٹھے۔ ''کیا؟''

''تمہاری باتیں!''

''واٹ؟'' اسے عجیب سا لگا۔

''سعدی، تمہاری قائل کر لینے والی زبان ہی تمہارا سب سے بڑا ٹیلنٹ ہے۔ تم لوگوں کو کنونس کر سکتے ہو۔''

''میں نہیں کر سکتا!'' اسے خود بھی یقین نہیں آیا تھا۔

''کیوں کیا تم نے ابھی مجھے کنونس نہیں کیا کہ ہاشم میرے پیچھے کھڑا ہے؟'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ آبی نے سر جھٹکا۔ ''آل رائٹ۔ میرا کام ختم ہوا۔ تم جانو، اور ہاشم جانے!'' وہ ایک گہری نظر اس پہ ڈالتی باہر نکل گئی۔ سعدی ناخوشی سے کھڑا انہی الفاظ کو سوچتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنوں کی مشکلوں سے بوجھل سا دل ہے رہتا

اکتوبر کے وسط سے موسم بدلنے لگا تھا۔ سرما کی پہلی دستک سنائی دے رہی تھی مگر تھانے کے اندر وہی خوف، وحشت اور تشدد کا موسم

تھا۔ وہ ایک کمرے میں کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ (زمر کی وجہ سے اس کو چند سہولتیں مل جاتی تھیں جن میں یہ وقت بے وقت کی ملاقاتیں بھی تھیں۔) وہ خاموش سنجیدہ سا پلکیں سکوڑ کر احمر کو دیکھ رہا تھا' جبکہ وہ وضاحت دے رہا تھا۔

''دیکھو مسز زمر نے واقعی مجھے ہائر کیا تھا' لیکن تمہیں پھنسانے کے لئے نہیں۔ میں کلائنٹ پریولیج کے تحت تمہیں نہیں بتا سکتا تھا۔''

''کیوں ہائر کیا تھا اس نے تمہیں؟'' اس کی چبھتی نظریں احمر پہ جمی تھیں۔

''وہ تو میں تمہیں اب بھی نہیں بتا سکتا' کیونکہ یہ ورک ایتھکس کے خلاف ہے۔ اگر یہ تب غلط تھا' تو اب بھی غلط ہے۔ وہ بتا دیں تو الگ بات ہے۔ لیکن مجھے ہماری دوستی بہت عزیز ہے' اس لئے میری طرف سے اپنا دل صاف کرلو۔''

''کرلیا۔ اور کچھ؟'' اس کا لہجہ ٹھنڈا اور نگاہیں ہنوز پرتپش تھیں۔ احمر گہری سانس لے کر پیچھے ہوا۔ پھر سوچتے ہوئے کندھے اچکائے۔

''مطلب تم واقعی سوچ سکتے ہو کہ چڑے... مسز زمر تمہیں یوں جیل بھجوا سکتی ہیں؟''

''میں بہت کچھ سوچ سکتا ہوں۔''

''مگر انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا غازی۔''

''تو ثابت کرو!'' وہ سپاٹ لہجے میں کہہ کر پیچھے کو ہو بیٹھا۔ احمر کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔ ''کیسے؟''

''مجھے ایک شخص سے ملنا ہے۔ صرف پندرہ منٹ کے لئے...'' وہ کہہ رہا تھا مگر احمر کی آنکھیں پھیلیں۔ فوراً ہاتھ اٹھا کر روکا۔

''دیکھو غازی' میں بے شک پرزن رائٹس پہ یقین رکھتا ہوں لیکن یہ رائٹس سے اوپر کی بات ہے۔'' پھر آواز بے چارگی سے نیچی کی۔ ''یار تم حوالات میں ہو' پندرہ منٹ کے لئے بھی ہم تمہیں یہاں سے نہیں نکال سکتے۔''

''تمہارے پاس میرے جوڈیشل ریمانڈ تک کا وقت ہے۔ دو ہفتے!'' انگلیوں کی وی بنا کر دکھائی۔ ''مجھے اس شخص کے پاس جانا ہے۔ یا تو تم اور تمہاری کلائنٹ یہ سب ارینج کرکے دو گے' یا میں خود جیل توڑ کر چلا جاؤں گا' کبھی واپس نہ آنے کے لئے۔ کون سا آپشن بہتر ہے' اپنی کلائنٹ سے پوچھ کر بتا دینا۔'' وہ جتنی سنگینی اور قطعیت سے کہہ رہا تھا' احمر بے بسی سے اسے دیکھے گیا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے سوچا تھا کہ پرزن رائٹس جائیں جہنم میں، ارے ان قیدیوں کو تو الٹا لٹکا کر درے مارے جانے چاہیے ہیں۔

''کون ہے وہ شخص؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کئی بار دکھایا ہے ہمیں آئینہ وقت نے

ڈرتے جو ہار سے ہم، بے کار بن کر جیتے

انیکسی کے برآمدے میں نووارد ہوئی سرما کی شام چھائی تھی۔ وہ نہیں تھا تو موسم کی گرمجوشی بھی ہر روز ناپید ہوتی جارہی تھی اور خوف کا کہر فضا میں رچتا بستا جارہا تھا۔ برآمدے میں آدھے بندھے گھنگریالے بالوں والی زمر' سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی' سنجیدگی سے سامنے کھڑے

احمر کو سن رہی تھی جو بے چارگی سے کہہ رہا تھا۔

''پلیز مجھ پہ چلائیے گا مت' مجھے قانون بھی مت سمجھائیے گا' مجھے معلوم ہے یہ سب کتنا غلط ہے مگر وہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔''

بات ختم کر کے اس نے ڈرتے ڈرتے زمر کے تاثرات دیکھے۔ وہ خاموش کھڑی تھی' چہرہ نارمل تھا۔

''وہ اس سے اب کیوں ملنا چاہتا ہے؟ اتنا عرصہ جب وہ باہر تھا' تب کیوں نہیں ملا؟''

''میں نے بھی یہی پوچھا تھا' وہ کہتا ہے کہ پہلے وہ آہستہ آہستہ کام کر رہا تھا' مگر اب وقت نہیں ہے۔'' پیامبر نے ہچکچاتے ہوئے پیغام دیا۔

''ٹھیک ہے' وہ اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے' تو ہم کروا دیں گے ملاقات!'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔ احمر کا منہ کھل گیا۔

''واٹ؟ مطلب کہ...'' پھر منہ بند کیا' خفگی سے اسے دیکھا۔ ''آپ کو اس کا مطالبہ برا نہیں لگا؟''

''نہیں۔ وہ سچائی جاننا چاہتا ہے' تو سچائی جاننے کا بہترین وقت دورانِ قید ہے۔ اگر وہ آزاد ہوتا تو کچھ کر بیٹھتا' لیکن اب اسے برداشت کرنا ہوگا۔'' زمر نے شانے اچکائے۔ وہ ساری جمع تفریق کر چکی تھی۔

''یعنی آپ سچائی جانتی ہیں؟ آف کورس یہ میرا مسئلہ نہیں ہے'' جلدی سے اپنی حد میں واپس آیا۔ ''مگر ہم اس کو حوالات سے نکالیں اور واپس کیسے لائیں گے؟ یہ بہت خطرناک ہے!''

''میں کر لوں گی' تھوڑی سی آپ کی مدد چاہیے ہوگی۔ اور ہاں... ٹرائل کے لیے مجھے ایک انویسٹی گیٹر کی ضرورت ہے۔ پچیس ہزار فی گھنٹہ' رائٹ!'' ذرا نرمی سے پوچھا۔

احمر اداسی سے مسکرایا۔ ''مجھے آپ سے کوئی رقم نہیں چاہیے۔ میں صبح آؤں گا' ہم تب معاملات ڈسکس کر لیں گے۔'' ذرا رکا۔ ''ویسے میں وہی ہوں جس کو ایک زمانے میں آپ کورٹ میں کھڑی پراسیکیوٹ کر رہی تھیں اور...''

''احمر!!!'' اس کی ایک نظر کافی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھائے جلدی سے بولا ''آف کورس آپ کو یاد ہے۔ میں چلتا ہوں۔''

تبھی برآمدے کا دروازہ کھول کر حنین تیزی سے باہر نکلی' احمر کو دیکھ کر ٹھٹکی۔ پھر ذرا کی ذرا خفا نظر اس پہ ڈالی۔ احمر الوداعی کلمات کہہ کر برآمدے کے زینے اترنے لگا۔ مگر وہ دیکھنے خشمگیں کا انداز.... بار بار اس کو کھٹک رہا تھا۔

کیمپئن آفس میں بیٹھے وہ اسی سوچ میں گم تھا جب فاطمہ نے اس کے سامنے کافی کا مگ رکھا۔ اور مقابل کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ احمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ گلاسز لگانے والی گوری اور دلکش سی لڑکی تھی۔

''تمہارے خیال میں وہ مجھے ہر دفعہ اتنی ناگواری کیوں دکھاتی ہے؟'' سنجیدگی سے پوچھا۔ فاطمہ نے گھونٹ بھرتے شانے اچکائے۔

''شاید تمہاری کسی بات سے ہرٹ ہوئی ہو۔''

''نہیں' میں نے تو دونوں دفعہ مختلف باتیں کی تھیں۔ مگر مجھے ہمیشہ یہ لگتا ہے کہ وہ لڑکی.... سعدی کی بہن.... وہ مجھ سے... اِن سیکیور رہتی ہے' جیسے اسے مجھ سے کوئی خطرہ ہے۔'' نفی میں سر ہلاتے وہ جیسے الجھا ہوا تھا۔ ''اس لڑکی کے ساتھ کوئی مسئلہ ضرور ہے۔''

''احمر!'' فاطمہ آگے ہوئی اور دلچسپی سے بولی۔ ''اس کمپین میں ہم نے کتنے مسئلے حل کیے ہیں۔ کوئی پزل پہلے ہم سے بچ سکا ہے کیا؟''

''نہیں!'' وہ بھی دلچسپی سے آگے ہوا۔ ''ایسا کرو اس لڑکی کے بارے میں ہر معلومات مجھے ڈھونڈ کر دو' تا کہ ہم کوئی لنک جوڑ سکیں۔''

''راجر باس' لیکن ہم یہ کر کیوں رہے ہیں؟ اس کی فیملی تو تمہاری دوست ہے نا۔''

''ہاں وہ میرے دوست ہیں' لیکن میں متجسس ہوں' اور جب تک میں اس کو حل نہیں کروں گا' مجھے چین نہیں ملے گا۔'' وہ بہت بے چینی سے کہہ رہا تھا۔ فاطمہ نے ٹیک لگاتے سر کو خم دیا اور کافی کے گھونٹ بھرنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گر وقت کبھی آتا باطل کی خدائی کا

ہم موت سے نہ ڈرتے تلوار بن کر جیتے

کمرے میں ٹی وی کا بے ہنگم شور گونج رہا تھا۔ سعدی بیڈ پہ لیٹا تھا' پیر قینچی صورت بنا رکھے تھے اور غیر دلچسپی سے دیوار پہ نصب اسکرین دیکھ رہا تھا۔ دی گوسٹ اینڈ دی ڈارک نیس جو وہ کتنی ہی دفعہ گزرے برسوں میں دیکھ چکا تھا' اس قید خانے میں سخت کبیدہ خاطر لگ رہی تھی۔ (ٹی وی پہ صرف ڈی وی ڈی چلتی تھی، کوئی چینل نہیں آتا تھا۔)

اکتا کر اس نے ٹی وی بند کیا۔ کمرے کی خاموشی عجیب لگنے لگی۔ اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا اور سوچنے کی کوشش کی کہ وہ اتنا بے سکون کیوں ہے؟ مگر اگلے ہی لمحے چونکا۔ ''اسکرین''! اسکرین میں سکون کب اور کس کو ملا تھا' جو اسے ملے گا؟ بھلے وہ ٹی وی اسکرین ہو' کمپیوٹر اسکرین ہو یا موبائل اسکرین۔ اسکرین سستی' بے سکونی اور بے زاری عنایت کرتی ہے اگر یہ اللہ کے ذکر سے خالی ہو! وہ اٹھا اور باتھ روم چلا گیا۔ کچھ دیر بعد گیلے ہاتھ پیر اور چہرے کے ساتھ باہر نکلا اور اپنا قرآن لے کر اسٹڈی ٹیبل پہ آ بیٹھا۔

''پتہ ہے کیا اللہ تعالیٰ' اس اسکرین کی نماز اور قرآن کے ساتھ ہمیشہ ایک جنگ چھڑی رہتی ہے۔ جتنی زیادہ ہمارے زندگیوں میں 'اسکرین'' آتی ہے' اتنی ہماری نماز کم ہوتی ہے۔ اور جتنی نماز آتی ہے' اتنی ہی اسکرین خود بخود جانے لگتی ہے۔ ہم بیک وقت دو دل نہیں رکھ سکتے۔ حیا سے عاری دل، اور مومن کا دل، یہ ایک سینے میں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ خیر' آج کون سی سورۃ پڑھوں؟'' اس نے صفحے پلٹتے سوچا۔ وہی بے ترتیب قرآن کی روٹین۔ وہ چند سورتیں آگے پیچھے سے پڑھتا تھا مگر تم کو صرف وہی قصہ سنایا جاتا ہے جب وہ چیونٹیوں کی سورۃ پڑھتا تھا۔ سو آج بھی اس نے النمل کھول کر تعوذ اور تسمیہ پڑھا۔

''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان' بار بار رحم کرنے والا ہے۔'' اس نے آیات دیکھیں۔ ملکہ سبا کو سلیمان علیہ السلام کا خط مل چکا تھا اور اس کو پڑھنے کے بعد کا قصہ کچھ یوں تھا۔

''وہ کہنے لگی' اے سردارو! مجھے میرے کام میں مشورہ دو' تمہارے حاضر ہوتے ہوئے میں خود سے کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرنے والی۔ انہوں نے کہا۔ ہم قوت والے ہیں' اور سخت زور والے ہیں' اور معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے تو دیکھ لو کہ تم کیا حکم دیتی ہو؟''

''سو کیا مطلب ہوا ان آیات کا؟'' سعدی دانت سے نچلا لب دبائے سوچنے لگا۔ ''سلیمان علیہ السلام کے مکتوب کریم جس میں لکھا تھا کہ میرے پاس مطیع و فرمانبردار بن کر چلی آؤ۔ اس کے بعد ملکہ اپنے لیڈرز سے مشورہ لیتی ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ مشورے کے لئے یہاں پر ''افتونی'' کا لفظ استعمال ہے، یعنی مجھے فتویٰ دو۔ اللہ تعالیٰ آپ نے ''مشورے'' کا لفظ نہیں استعمال کیا۔ فتوے کا کیا۔ فتویٰ کہتے ہیں کسی مشکل مسئلے کے جواب کو۔ مجھے اس سے یہ سمجھ آیا ہے اللہ تعالیٰ کہ فتویٰ ''جواب'' ہوتا ہے۔ جب مانگا جائے تب دیا جائے۔ یہ نہیں کہ جگہ جگہ اٹھتے بیٹھتے، ہم ہر کسی پہ فتوے لگاتے جائیں۔ اور ملکہ کا قصہ ایک طرف، ہمارے ہاں ہر گلی کا مولوی، اور ہر یونیورسٹی کا اسلامک پروفیسر بھی فتوے لگا دیتا ہے، جبکہ اسلام میں ہر کوئی فتوے دینے کا اہل نہیں ہوتا ہے۔ مفتی کا مقام حاصل کرنے کے لئے خاص تقاضے پورے کرنے ہوتے ہیں۔'' وہ کہہ رہا تھا اور کمرے کا وحشت ناک سناٹا اب آہستہ آہستہ سکینت بھری خاموشی میں بدل رہا تھا۔

''ویسے انسان کو ہمیشہ مشورہ کرنا چاہیے، مشورہ انسان کو رسوائی سے بچا لیتا ہے۔ بہترین مشورہ اللہ سے مشورہ ہوتا ہے، اور بہترین فتویٰ دل کا فتویٰ ہوتا ہے، آخری فتویٰ۔ خیر..'' اس نے صفحے کو دیکھا۔ ''ملکہ نے مشورہ مانگا تو سرداران قوم نے اپنی طاقت بھی واضح کر دی اور آخری فیصلہ بھی ملکہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ پھر آگے کیا ہوا؟'' وہ پڑھنے لگا۔

''وہ کہنے لگی کہ بے شک جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں فساد کرتے ہیں، اور وہاں کے رہنے والے عزت دار لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ اور وہ اسی طرح کیا کرتے ہیں۔'' سعدی کو کچھ یاد آیا۔

''اللہ تعالیٰ، یہ آخری الفاظ **''اور وہ اسی طرح کیا کرتے ہیں''** ان کے بارے میں دو آراء ہیں نا۔ پہلی رائے یہ ہے، کہ یہ ملکہ کا ہی قول ہے، مگر مجھے دوسری رائے زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا تبصرہ ہے ملکہ کی بات پہ، کہ واقعی، طاقت کے نشے میں گم لوگ دوسروں کی عزتوں کی پرواہ کہاں کرتے ہیں۔''

کمرے کی وحشت کسی حد تک کم ہو چلی تھی۔ اس کا منتشر ذہن دھیرے دھیرے، کئی دن بعد، فوکس کر پا رہا تھا۔ وہ عربی میں اگلی آیات پڑھنے لگا۔ **''اور بے شک میں بھیجنے والی ہوں ان (سلیمانؑ) کی طرف ایک ہدیہ۔ پھر دیکھتی ہوں کہ ہمارے قاصد کس چیز کے ساتھ لوٹتے ہیں۔''**

''واہ ملکہ.... مشورہ آپ نے ضرور مانگا سرداران قوم سے، لیکن آخر میں کی تو آپ نے اپنی ہی مرضی۔'' وہ مصنوعی سا خفا ہوا۔ ''مجھے ہمیشہ یہ آیات پڑھتے ہوئے لگتا ہے کہ ملکہ ایک تو اپنے لیڈرز کو چیک کر رہی تھی، دوسرا وہ جنگ کے بجائے امن کے پیغام کو جسٹی فائی بھی کر رہی تھی۔ چیونٹیوں کی ملکہ کی طرح وہ بھی اپنی قوم کے لئے مخلص تھی، اور سب کا سوچتی تھی۔ وہ قطعی فیصلہ کر سکتی تھی مگر تھی وہ ایک عورت ہی، اس کو ایک فیصلہ لینے سے پہلے بھی بہت سے لوگوں کو اس فیصلے کی وضاحتیں اور صفائیاں دینا تھیں۔ وہ ملکہ ہو کر بھی چیونٹی تھی، مگر وہ درست تھی۔ عورت اگر کبھی خاندان میں دب بھی جائے، جارحیت کا جواب بھی صلح صفائی سے دے، اور بظاہر چیونٹیوں کی طرح اندھی اور خاموش زندگی بھی گزار رہی ہو تو وہ بھی کوئی بری بات نہیں ہوتی۔ بہت سے لوگوں کے سکون کے لئے اپنی انا کی قربانی دینا برا کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟''

سعدی نے سر جھکا اور توجہ اگلی آیات کی طرف مرکوز کی۔

’’تو جب وہ (قاصد) آئے سلیمان کے پاس (تحفے لے کر) تو وہ کہنے لگا۔ کیا تم مال کے ذریعے میری مدد کرنا چاہتے ہو؟ تو جو اللہ نے مجھے عطا کر رکھا ہے‘ وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے تم کو عطا کر رکھا ہے۔ بلکہ اپنے تحفوں کے ساتھ تم خود ہی خوش ہوتے ہو۔ واپس جاؤ ان کے پاس‘ ورنہ البتہ ہم ضرور ان کے پاس ایسے لشکر لائیں گے جن کے مقابلے کی طاقت ان میں نہ ہوگی۔ اور ہم ان کو ان کی بستی سے ذلیل کر کے نکالیں گے اور وہ پست ہو کر رہیں گے۔‘‘

’’سبحان اللہ!‘‘ سعدی نے گہری سانس لی۔ ’’تحفے تحائف دینا پسندیدہ عمل ہے‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیا بھی کرتے تھے‘ لیا بھی کرتے تھے۔ مگر سلیمان علیہ السلام نے کیوں یہ تحفہ قبول نہیں کیا؟ کیونکہ یہ رشوت تھی۔ رشوت اس شے کو کہا جاتا ہے جو جائز کو ناجائز یا ناجائز کو جائز بنانے کے لئے دی یا لی جائے۔ ملکہ کا تحفے بھیجنا اس امر کی نشاندہی تھا کہ وہ معاملہ خوشامد سے رفع دفع کرنا چاہتی تھی۔ مگر سلیمان علیہ السلام ایسے پھندوں میں نہیں آتے تھے۔‘‘ وہ رکا۔ ’’مگر وہ کیوں نہیں آتے تھے ایسے پھندوں میں؟ کیا اس لئے کہ وہ پیغمبر تھے؟ نہیں‘ بلکہ اس لئے کہ... کہ....‘‘ اس نے آیت میں ہی جواب ڈھونڈا۔ ’’اس لئے کہ انہوں نے اپنی نعمتوں کے بارے میں اعتراف کیا کہ یہ مجھے عطا کی ہیں اللہ نے۔ اور یہاں ان کے لاؤ لشکر‘ جنات‘ پرواز کی سواریاں مراد نہیں ہیں۔ یہاں مراد ہے‘ پیغمبری۔ کتاب کا علم۔ اللہ کا قرب۔ تو جو اللہ کے آگے سجدے میں سر رکھتا ہو‘ اس کا سر ان پھندوں میں نہیں پھنستا۔ ان کی یہ ساری شان‘ یہ انکار‘ یہ طریقہ‘ یہ ان کے اصولوں کی وجہ سے تھا۔ اور اللہ‘ یہ تو مجھے کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ کوئی پیغمبر کسی کو ذلیل نہیں کر سکتا‘ یہاں ذلیل کرنے اور پست کرنے سے مراد جنگ کی خونریزی ہے۔ سلیمانؑ ملکہ کے پورے ملک کے عوام کی آخرت کی فکر کر رہے تھے۔ اگر ملکہ اور سرداران قوم نے اسی طرح پورے ملک کو سورج کی پرستش پہ لگائے رکھا تو اس قوم کو درست راہ دکھانے کے لئے حکمران طبقے کو جنگ کے ذریعے ملک سے نکالنا بھی برا سودا نہ تھا۔‘‘

وہ آیات اتنی دلچسپ تھیں کہ سعدی کو وقت گزرنے کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ حالانکہ اسے سب یاد تھا کہ آگے کیا ہوگا‘ مگر قرآن ہر دفعہ انسان پہ نئے طریقے سے اترتا ہے۔ اب سلیمانؑ کے دربار کا منظر بتایا جا رہا تھا۔

’’سلیمانؑ نے کہا اے سردارو‘ کون ہے تم میں سے جو ان کے مطیع ہو کر آنے سے قبل اس (ملکہ) کا تخت اٹھا کر میرے پاس آئے۔‘‘ وہ لمحے بھر کو ٹھہرا اور مسکرایا۔

’’ملکہ نے بھی کہا یا یہا الملو (اے سردارو) سلیمانؑ نے بھی کہا‘ یا یہا الملو (اے سردارو) ملکہ نے بھی ان کی قوت چیک کی‘ سلیمانؑ نے بھی ان کی طاقت جانچنی چاہی‘ مگر دونوں کا انداز مختلف تھا۔ سلیمان علیہ السلام نے مشورہ نہیں مانگا‘ رائے نہیں مانگی‘ صرف جواب مانگا‘ کیونکہ جو وہ کرنے جا رہے تھے‘ وہ نبوت کا معجزہ تھا اور کچھ معاملے ایسے ہوتے ہیں جہاں آپ کو دوسروں کی آراء کے اثر سے نکل کر فیصلے کرنے ہوتے ہیں۔ سلیمانؑ نے بھی اپنی مرضی کی، ملکہ نے بھی اپنی مرضی کی، مگر مجھے ہمیشہ لگتا ہے کہ چونکہ وہ ایک عورت تھی، اسی لیے اس کو صفائی اور وضاحتیں دینا پڑ رہی تھیں۔‘‘ پھر اگلے الفاظ پہ نظر دوڑائی۔

''کہا جنات میں سے ایک عفریت (دیو) نے میں اس (تخت) کو لاؤں گا تیرے پاس تیرے اس جگہ سے اٹھنے سے قبل اور بے شک میں اس پہ قوی اور امین ہوں۔''

''کس جگہ سے اٹھنے سے قبل؟'' سعدی نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنا چاہا۔ چونکہ وہ عربی کا قرآن تھا' تفسیر لکھی ہوئی نہ تھی' اور دو دن سے اسکرین دیکھ دیکھ کر فوکس کم ہوتا جا رہا تھا۔ سو بدقت یاد آیا۔ ''سلیمان علیہ السلام' کا دربار صبح سے نصف النہار تک لگا کرتا تھا' جن کا مطلب تھا کہ دربار ختم ہونے سے پہلے لے آؤں گا۔ فلسطین' جہاں سلیمان علیہ السلام تھے' سے قوم سبا کے ملک کا فاصلہ ہزاروں میل پہ محیط تھا۔ وہ جن اس کو چند گھنٹے میں عبور کر سکتا تھا' مگر بے چارے کو بھی اس ہدہد کی طرح اپنی امانت کی صفائی دینی پڑ رہی ہے کہ میں اس تخت کے ہیرے موتیوں سے کچھ چراؤں گا نہیں۔ سلیمان علیہ السلام کا کتنا رعب تھا اپنی رعیت پہ۔ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے تھے کہ جو زیادہ ہنستا ہے اس کا رعب کم ہو جاتا ہے۔ مگر اپنے بڑوں کی ساری باتیں ہمیں عین موقعے پہ کیوں بھول جاتی ہیں؟''

گردن جھکائے رکھنے سے اس کی گردن دکھنے لگی تھی مگر یہ طے تھا کہ پڑھتے وقت' اس کو آگے پیچھے کا ہوش نہیں ہو سکتا تھا۔

''**کہا اس شخص نے' جس کے پاس کتاب کا علم تھا' میں لاؤں گا اس (تخت) کو تیرے پاس تیرے پلک جھپکنے سے بھی پہلے۔**'' (سعدی کو محسوس ہوا' اس کے بازوؤں کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے) ''**پھر جب دیکھا سلیمانؑ نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا تو کہا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے' تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ کیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں۔ اور جو شکر کرتا ہے تو یقیناً وہ شکر کرتا ہے اپنی ہی ذات کے لئے اور جو کفر (یعنی کفرانِ نعمت یا ناشکری) کرتا ہے تو میرا رب تو بہت بے نیاز' بہت عزت والا ہے۔**''

سعدی نے ہلکی سی جھرجھری لی۔ ہونٹ سکیڑ کر سانس خارج کی۔

''یہ شخص کون تھا' اور اس کے پاس کون سی کتاب کا علم تھا؟ آپ نے ہمیں یہ سب نہیں بتایا اللہ' بعض کہتے ہیں یہ خود سلیمانؑ ہی تھے مگر یہ قول کمزور ہے۔ زیادہ بہتر وہ رائے ہے کہ یہ ایک انسان تھا' اسرائیلیات اس کا نام آصف بتاتی ہیں' اس کے پاس کسی خاص کتاب کا علم تھا جو جادو نہیں تھا' اور وہ پلک جھپکتے میں تخت کو سلیمانؑ کے پاس لے آیا تھا۔ لوگوں کو عموماً یہ آیت بہت ہی fascinate کرتی ہے۔ مجھے اس سے اگلے الفاظ زیادہ fascinate کرتے ہیں۔ پلک جھپکتے میں ہزاروں میل کا فاصلہ عبور کر کے تخت آ جاتا ہے سلیمانؑ کے پاس' اور وہ کہتے ہیں یہ میرے رب کا فضل ہے۔ ہمارے پاس جب پلک جھپکتے میں ہزاروں میل دور سے کوئی ای میل' کوئی فیکس' کوئی ویڈیو کال آ جاتی ہے' تو ہم کہتے ہیں' یہ سائنس کا فضل ہے' اسکائپ کا فضل ہے۔ وائی فائی کا فضل ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ سلیمانؑ نے اس ذی علم شخص کی تعریف نہیں کی ہوگی' یقیناً کی ہوگی مگر پہلی تعریف اللہ کی بیان کی۔ یہ سب سائنس کے کرشمے ہیں' اسکائپ' وائی فائی' سب' لیکن ہم' پہلی تعریف اللہ کی بیان نہیں کرتے۔ اللہ ہمیں نعمتوں سے اس لئے نہیں نوازتا کہ ہم بہت نیک ہوتے ہیں' بلکہ اس لئے نوازتا ہے کہ ہم ان کے بعد بھی نیک رہتے ہیں یا نہیں۔ ذکر نعمتوں کی حفاظت کرتا ہے' اور شکر نعمتوں کو بڑھاتا ہے۔ اور اگر کوئی ناشکری کرے' اور اللہ آپ نے ناشکری کے لئے ''کفر'' کا لفظ استعمال کیا' تو اللہ ناشکروں سے بے نیاز ہے' اور ان کی تعریف کے بغیر بھی اتنا ہی باعزت ہے۔''

وہ عموماً اتنی زیادہ آیات پہ اکٹھے غور وفکر نہیں کیا کرتا تھا، مگر فی الحال اس قصے کو بیچ میں ادھورا چھوڑنا اس کے لئے ناممکن تھا۔ وقت، کمرے میں چھائی ٹی وی کی نحوست، قید کا احساس، سب ختم ہو کر رہ گیا تھا۔

''سلیمانؑ نے فرمایا، بدل ڈالو اس کے لئے اس کا تخت، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ (ملکہ) ہدایت پاتی ہے یا بے ہدایت لوگوں میں سے ہو جاتی ہے؟ تو جب وہ آ گئی، اس سے پوچھا گیا، کیا اسی طرح ہے تیرا تخت؟ بولی ''گویا کہ یہ وہی ہے۔ اور ہم دیے گئے علم اس سے پہلے ہی اور ہم تھے اطاعت گزار۔''

''ان الفاظ میں کتنی وسعت ہے نا اللہ۔ ان کے بارے میں بھی دو آراء ہیں، ایک یہ کہ یہ پوری سطر ملکہ کا کلام ہے، دوسری یہ کہ ملکہ نے صرف تذبذب سے صرف اتنا کہا ''گویا کہ یہ وہی ہے'' صاف پہچانا بھی نہیں، صاف انکار بھی نہیں کیا، اور آگے کے الفاظ سلیمانؑ کے ہیں۔ یہ مجھے زیادہ بہتر رائے لگتی ہے۔ کاش قرآن پڑھنے والوں میں بھی اتنی ہی وسعت آ جائے جتنی قرآن کی آیات میں ہے۔''

اس نے توجہ اگلے الفاظ کی طرف مبذول کی جہاں اللہ فرما رہا تھا۔

''اور روکا تھا اس (ملکہ) کو اس (سورج) نے جس کی وہ عبادت کرتی تھی اللہ کے سوا۔ بے شک وہ کافروں میں سے تھی۔''

''روکا تھا؟'' وہ ایک دم چونکا۔ ''اللہ کی عبادت کرنے سے آپ کو کیا چیز روکتی ہے؟ فجر پہ آپ کی آنکھوں پہ کیا چیز بوجھ ڈالتی ہے اور اٹھنے نہیں دیتی؟ صرف نیند میں اتنی طاقت نہیں ہوتی۔ یہ وہ چیزیں ہوتی ہیں جن کی آپ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں۔ عبادت کہتے ہیں عاجزی و انکساری سے کسی کے سامنے جھک جانے کو۔ مجھے یاد آ رہا اللہ، آپ نے ایک جگہ قرآن میں بتوں کی عبادت کرنے والوں کے لئے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ ''کیوں ہو تم ان کے آگے جم کر بیٹھنے والے۔'' تو جس بری چیز کے آگے ہم جم کر بیٹھتے ہیں، مبہوت، مسحور سے، وہ ہمارے معبود ہوتے ہیں۔'' پلٹ کر ایک خفا نگاہ ٹی وی کی تاریک اسکرین پہ ڈالی۔ ''اور جتنی زیادہ ان معبودوں کی مداخلت زندگی میں بڑھے گی، اتنی نماز کم ہوگی، یہ تو طے ہے۔'' پھر اس نے دھیان آج کے سبق کی آخری آیت پہ لگایا۔

''کہا گیا، ملکہ سے، داخل ہو جا محل میں (جو شیشوں کا بنا تھا) تو جب اس نے دیکھا اس (شیشے کے فرش کو)، سمجھی اس کو حوض، اور پنڈلیوں سے (لباس) اوپر اٹھا لیا، تو فرمایا سلیمانؑ نے، بے شک وہ ایک محل ہے چکنا شیشے کا بنا۔ تو کہنے لگی، اے میرے رب، بے شک میں نے ظلم کیا اپنی جان پر، اور میں اسلام لاتی ہوں سلیمانؑ کے ساتھ اللہ رب العلمین کے لئے!''

''شیشے کا محل!'' سعدی نے ٹھنڈی سانس بھرتے مقدس کتاب بند کی۔ ''کہتے ہیں اس محل کا کرسٹل کلیئر گلاس فلور تھا اور اس کے نیچے پانی بہتا تھا۔ ملکہ جو پہلے ہی اتنی متاثر ہو چکی تھی، اس اعجاز کو دیکھ کر تسلیم کرنے پہ مجبور ہو گئی کہ سلیمانؑ اللہ کے رسول ہیں، اور جس شے پہ وہ ہیں، وہ ٹھیک ہے، اور اس کی ساری زندگی کی عبادت اور ریاضت غلط تھی۔ میں نے اللہ تعالیٰ اس آیت سے ہمیشہ ایک بات محسوس کی ہے۔ دین کی تبلیغ کرنے کے لئے صرف تقریر نہیں کرنی ہوتی، دوسروں کو متاثر بھی کرنا ہوتا ہے۔ سلیمانؑ نے پرندے کے ذریعے خط، تخت کو لے آنے اور ممرد شیشے کے محل سے ملکہ کو متاثر کیا، کیونکہ سلیمانؑ کا معجزہ جنات، چرند پرند، اور ایسی مخلوقات اور علوم کا مسخر کرنا تھا۔ انہوں نے اپنے

معجزے سے ملکہ کو متاثر کیا۔ یہ قصہ پڑھ کر میرے جیسا عام انسان تھوڑا احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ بھئی ہمارے پاس تو نہیں ہیں شیشے کے محل اور جنات کے لشکر اڑنے والے تخت، دربار اور بادشاہی۔ مگر ... ہمارا معجزہ یہ شان و شوکت ہے بھی نہیں۔ ہماری امت کا معجزہ ہے "قرآن" اور ہمیں قرآن سے لوگوں کو متاثر اور مسحور کرنا ہوگا۔ کبھی قرآن سنا کر اور کبھی خود چلتا پھرتا قرآن بن کر۔ تب ہماری تبلیغ دھیان سے سنی جائے گی۔" چہرے کو ہاتھوں میں گرا کر وہ اب دعا مانگنے لگا۔ چونکہ تلاوت ختم ہو چکی تھی تو کمرے کی وحشت ویسی ہی محسوس ہونے لگی۔ گویا کہ وہ پہلے سے بہت کم تھی۔ مگر وہ وہاں موجود تھی، یہ چیزیں تیزی سے ختم نہیں ہوا کرتیں۔

سعدی نے نوٹ بک اٹھائی اور اس پہ وہی الفاظ لکھے جو فارس نے لکھے تھے۔ Haman۔

سلیمان علیہ السلام نے ملکہ کے ملک کے لوگوں کی دنیا و آخرت بچائی اپنی "نعمت" استعمال کر کے۔ اس کو اپنی جان بچانی تھی اپنا ٹیلنٹ استعمال کر کے۔ اور وہ سرخ اسکارف والی لڑکی ٹھیک کہتی تھی۔ اس کو صرف ایک چیز یہاں سے نکال سکتی تھی۔ اس کی زبان۔

ایک عزم کے ساتھ اس نے ان حروف پہ کانٹا لگایا۔ مگر یہ صرف کانٹا نہیں تھا۔

یہ صلیب تھی!

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ اداسیوں کے موسم یونہی رائیگاں نہ جائیں
کسی یاد کو پکارو، کسی درد کو جگاؤ

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

سرما دھیرے دھیرے شہر کو لپیٹ میں لے رہا تھا۔ انیکسی میں عجیب ہو کا عالم تھا۔ اسامہ ٹی وی سے بےزار کونے میں اسکول کا کام لئے بیٹھا تھا۔ ابا کمرے میں لیٹے تھے۔ ندرت نے ریسٹورانٹ جانا چھوڑ رکھا تھا، وہیں کچن کی گول میز پہ بے خیال، کھوئی کھوئی سی بیٹھی رہتیں۔ روز زمر سے کہتیں ان کو فارس سے ملنا ہے، پھر خود ہی ارادہ بدل دیتیں۔ ان کی نمازیں لمبی ہو گئی تھیں۔ باتیں گھٹ گئی تھیں۔ سب کے کمروں کی ترتیب بھی بدل گئی تھی۔ صداقت اب ابا کے ساتھ سوتا تھا، سیم اوپر ندرت کے ساتھ، اور حنین زمر کے ساتھ۔ کون کس سے خوفزدہ تھا، یا کون کس کا خیال رکھنا چاہ رہا تھا، یہ سوچنے کے دن نہیں رہے تھے۔

حنہ اس وقت نیچے بیسمنٹ میں تھی۔ اوپر زمر کے کمرے کی بتی مدھم تھی اور اندر وہ چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے بیٹھی نماز پڑھ رہی تھی۔ سلام پھیر کر اس نے خالی خالی نظروں سے ویران کمرے کو دیکھا۔ خالی صوفے کو دیکھا۔ اس کی ان چھوئی الماری کو دیکھا۔ وہ ہوتا تھا تو اس کی موجودگی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ وہ نہیں تھا تو ہر شے گواہی دے رہی تھی کہ وہ نہیں ہے۔ کیسے اس کے خاندان نے چار سال گزارے ہوں گے اس کے بغیر؟ زمر کا چہرہ جھک گیا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ہاتھ پیالہ صورت اٹھائے۔

"میں نے بہت غلط کیا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ۔ وہ بے گناہ تھا مگر میں نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ میں نے اس کو اس جہنم سے نہیں نکالا۔ میں کیسے اس گلٹ سے نکلوں؟ وہ اچھا انسان ہے مگر مجھے اس سے کوئی محبت، کوئی نفرت کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں، دل میں، میں اب

بھی اسے پسند نہیں کرتی۔ مگر مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ پلیز میری مدد کریں۔ کوئی راستہ نکالیں۔ مجھ سے بات کریں۔'' آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے گر رہے تھے۔ دل بھی دکھی تھا۔ تبھی سیڑھیاں چڑھنے کی آواز آئی' اور وہ اپنے خاندان کے ہر بندے کی مختلف چاپ پہچانتی تھی۔ فوراً آنکھیں رگڑ دیں۔

دروازہ کھلا اور حنین اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ پھر بیڈ پہ گرنے کے سے انداز میں لیٹ گئی۔ دفعتاً گردن اونچی کر کے اسے دیکھا۔ وہ جائے نماز تہہ کر کے کھڑی ہو رہی تھی۔

''میں کتنی دیر پہلے آئی تھی' آپ تب بھی نماز پڑھ رہی تھیں۔''

''اتنا وقت تو لگ ہی جاتا ہے۔'' وہ رسان سے کہتی میز پہ جائے نماز رکھتی دوپٹے کو کھولنے لگی۔ حنہ کہنی کے بل اونچی ہوئی' اور ہتھیلی تلے گال رکھ کر اسے دیکھا۔

''آپ اتنی لمبی نماز میں کیا پڑھتی ہیں؟''

''ساری مسنون دعائیں!'' وہ رخ موڑے کھڑی اب دوپٹے سے بال آزاد کر رہی تھی۔

''کون سی ساری دعائیں؟ میں تو سبحٰنک اللھم پڑھتی ہوں' پھر سورۃ فاتحہ' پھر قل ھو اللہ' پھر رکوع' سجدہ' التحیات' درود' رب اجعلنی اور پھر سلام۔'' چٹکی میں حنہ کی نماز ختم ہو گئی تھی۔

''تم ہر اسٹیپ کی صرف ایک دعا پڑھتی ہو؟'' رخ ابھی تک موڑے وہ بال برش کرنے لگی۔

''ہاں' تو ہر اسٹیپ کی ایک ہی دعا ہوتی ہے' ہمیں مولوی صاحب نے ایسے ہی سکھائی تھی بچپن میں۔'' زمر اس کی طرف گھومی۔ آنکھوں کا گلابی پن اب کم تھا۔ ''اور مولوی صاحب نے کہاں سے سیکھی تھی نماز؟''

''اپنے مولوی صاحب سے۔ سوری.... مطلب حدیث کی کتابوں سے۔'' گڑبڑا کر تصحیح کی۔

''ہم سب کو نماز سکھائی ہے رسول اللہ ﷺ نے۔ انہوں نے ہر اسٹیپ کی کئی دعائیں سکھائی تھیں۔ یہ بھی فرمایا کہ جو تین دفعہ سبحان ربی الاعلیٰ سجدے میں پڑھتا ہے تو اس کا سجدہ تو ہو جاتا ہے' مگر وہ ادنیٰ درجے کا ہوتا ہے۔''

''کیا مطلب؟ ہم سبحان ربی الاعلیٰ نہ پڑھا کریں؟''

''اف میں نے یہ کب کہا کہ نہ پڑھا کریں۔ یہ تو لازمی ہے پڑھنا۔ مگر رکوع و سجود کو 'اعلیٰ'' یعنی بہترین بنانے کے لئے دوسری دعائیں بھی پڑھنی ہوتی ہیں۔ نماز ان کے بغیر بھی ہو جاتی ہے' مگر ان کے ساتھ زیادہ اچھی ہوتی ہے۔''

''دوسری دعائیں؟'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ایک دم پریشان۔ ''ہاں بھائی بھی شاید پڑھتا تھا' مگر مولوی صاحبان کیوں پوری نماز نہیں سکھاتے!''

''کیونکہ وہ ایک چھے سال کے بچے کو ایک دم بوجھل نہیں کرنا چاہتے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ بڑا ہو کر خود ہی سیکھ لے گا۔ یہ ساری دعائیں احادیث کی صحیح کتب میں درج ہیں جن میں کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ مگر بڑے ہو کر کوئی نہیں سیکھتا کیونکہ نوے فیصد مسلمانوں کو علم ہی نہیں

ہوتا کہ نماز کی اور دعائیں بھی ہیں۔یا یہ کہ قل ھو اللہ کی جگہ قرآن کی دوسری سورتیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔'' وہ وہیں ڈریسر کے اسٹول پہ بیٹھی بال برش کرتے کہہ رہی تھی۔

حنین الجھ گئی تھی۔ ''تو وہ جو ہم سنتے ہیں کہ ہمارے بزرگ لمبی لمبی نمازیں پڑھتے تھے، وہ اس لئے کہ وہ ان میں تمام دعائیں پڑھتے تھے؟''

''بالکل۔''

''میں سمجھی الفاظ لٹکا لٹکا کر پڑھتے ہوں گے۔سوری۔'' ذرا شرمندہ ہوئی۔ ''اچھا' مجھے بھی بتائیں' کون سی دعائیں پڑھنی ہیں۔''

''حنہ۔'' وہ حنہ کی طرف گھومتے اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی۔ ''تم ایک باشعور پڑھی لکھی لڑکی ہو۔ تمہیں نصیحت کرنا میرا کام ہے' تمہیں منہ میں نوالے دینا میرا کام نہیں ہے۔ میں ناصح ہوں' استاد نہیں۔تم اگر ناولز پڑھ سکتی ہو' کمپیوٹر استعمال کر سکتی ہو تو تم احادیث کی کتابیں بھی خود کھول کر ساری دعائیں یاد کر سکتی ہو۔ تمہیں اپنی نماز کو اعلیٰ بنانے کے لئے خود محنت کرنی ہو گی۔''

''اچھا!'' اس کا چہرہ اتر گیا۔ (ایک دو دعائیں بتا دیتیں تو کیا ہوتا؟)

''اور تم بالکل بھی نماز نہیں پڑھتی ہو حنہ۔'' اس نے نرمی سے کہا تھا۔ حنین لب کاٹتے بستر پہ لکیریں کھینچنے لگی۔

''دیکھیں میں فجر پہ نہیں اٹھ پاتی۔ فجر نہ پڑھوں تو باقی پڑھنے کا کیا فائدہ؟''

''فائدے نقصان کے لئے نماز نہیں پڑھی جاتی' ایکسر سائز اور صحت کے لئے بھی نہیں پڑھی جاتی' نماز اللہ کو خود سے راضی رکھنے کے لئے پڑھی جاتی ہے۔ دیکھو حجاب کرنا یا نہ کرنا ایک اچھی مسلمان اور ایک کم اچھی مسلمان لڑکی میں فرق کرتا ہے، سچ اور جھوٹ مومن اور منافق میں فرق کرتا ہے، مگر نماز مسلمان اور کافر میں فرق کرتی ہے۔ جو نماز نہیں پڑھتا وہ مسلمان نہیں ہوتا۔''

''یار اب ایک دم سے مجھے کافر تو نہ بنا دیں۔''

''سوری حنہ، مگر یہ بات میں نہیں کہہ رہی۔ یہ حدیث کی کتابوں میں لکھی ہے۔ نماز کے بغیر ہم مسلمان کیسے ہو سکتے ہیں؟''

''مگر زمر مجھ سے فجر پہ نہیں اٹھا جاتا۔ آپ کو لگتا ہے میں کوشش نہیں کرتی؟ کرتی ہوں۔ الارم بجتا ہے' امی بھائی سب اٹھاتے ہیں۔ میں نہیں نہیں نہیں اٹھ سکتی۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''الارم کلاک باتھ روم میں رکھ کر سویا کرو۔ اٹھ جاؤ گی۔'' ایک وقت کے لئے اتنی نصیحت کافی تھی' وہ بال لپیٹتے اٹھی۔ ''اب بتاؤ' جو کام میں نے تمہیں دیا تھا' وہ کر لو گی؟ اچھا اب یوں دل مسوس کر نہ بیٹھو' تمہیں تو اتنی ساری قرآنی سورتیں حفظ ہیں' جب تک نماز کی دعائیں نہیں ملتیں' انہی کو سورۃ اخلاص کی جگہ پڑھ لیا کرو۔ یاد تو ہیں نا وہ؟''

''وہ؟'' وہ چونکی۔ ''جی جی یاد ہیں۔'' جلدی سے نگاہیں جھکائیں اور ٹیبلیٹ سامنے کر لیا۔

ایک حافظِ قرآن کے لئے کسی دوسرے کو یہ بتانا یا سمجھانا کہ وہ قرآن بھول چکا ہے' بہت مشکل' بہت تکلیف دہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خود کو سنتے ہیں اس طرح جیسے

وقت کی آخری صدا ہیں ہم

اس رات سعدی اپنے کمرے میں آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹا، نیند میں تھا جب ایک دم اس کے وجود میں بے چینی سی پھیلی۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ اف۔ دی گوسٹ اینڈ دی ڈارکنیس اتنی دفعہ دیکھنے کے باعث خواب بھی جنگلوں اور شیروں والے آرہے تھے۔ وہ فلم کا منظر مسلسل پوری رات خواب میں دیکھتا رہا تھا۔ کیا زندگی میں یہ غارت گر کم تھے جو اب خواب میں بھی انہی کو دیکھنا ہوگا؟ وہ دائیں جانب کروٹ لیتے، گال تلے دونوں ہاتھ رکھے، اسی فلم کی کہانی سوچنے لگا۔ وہ نیشنل جیوگرافک ٹائپ کے چینل نہیں دیکھتا تھا، اس کا خیال تھا کہ انسانوں کے مسائل زیادہ توجہ طلب ہیں۔ مسز کاردار دیکھتی تھیں ایسے شوز۔ اکثر اس کو بتایا کرتیں۔ وہ سونے کی کوشش کرتے ہوئے، آنکھیں موندے گھوم پھر کر اسی نہج پہ سوچنے لگا... جواہرات... وہ مادہ غارت گر کی کہانی... اور اگلی ملاقات میں اس کی اتنی بے عزتی کرنا... وہ میری سے بات کر رہا تھا... ان کو اچھا نہیں لگا تھا... اس کا ذہن نیند میں ڈوب رہا تھا... میری کے الفاظ کی بازگشت ہر سو سنائی دے رہی تھی... وہ مجھ سے خائف رہتی تھیں سعدی... جیسے ان کو مجھ سے کوئی ڈر ہو... ان کی ایما پہ فیونا نے مجھے نوکری سے نکلوایا... آخری دفعہ میں نے ان کو دیکھا تھا... اورنگزیب کے باتھ روم کے پچھلے دروازے سے نکلتے... پچھلے دروازے...... بیک ڈور... پچھلا دروازہ...

وہ ایک دم بجلی کی سی تیزی سے اٹھ بیٹھا۔ اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا اور چہرے پہ پسینہ تھا۔ گھبرا کر وہ بستر سے اترا اور ساری بتیاں جلا دیں۔ پیشانی پہ ہاتھ پھیرا۔ جسم کانپ رہا تھا۔

پھر جلدی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ چست گارڈ نے فوراً کھولا۔

''میری کو بلاؤ۔'' وہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ گارڈ نے آواز دی۔ میری نیند سے بھری آنکھوں سے بھاگتی آئی۔ ''کیا ہوا؟'' وہ پریشان ہو گئی تھی۔ سعدی نے اسے اندر آنے دیا اور پھر دروازہ بند کر دیا۔

''اس کمرے میں کوئی سننے کا آلہ، کوئی ریکارڈر تو نہیں ہے نا؟''

''نہیں۔ یہ لوگ اتنے فارغ نہیں ہیں کہ تمہاری باتیں سنیں۔ کیا ہوا ہے؟''

''تم نے مسز کاردار کو اورنگزیب کاردار کے باتھ روم سے نکلتے دیکھا تھا نا؟'' وہ سانس روکے اس کو دیکھتے پوچھ رہا تھا۔ میری کے چہرے کا رنگ بدلا۔ آہستہ سے صوفے پہ بیٹھی۔ ''ہاں۔'' وہ تیزی سے اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا۔

''اگر مسز کاردار کے وہاں سے نکلتے وقت اورنگزیب زندہ تھے تو انہوں نے وہ دروازہ ضرور لاک کیا ہوگا۔ میں نے سنا تھا ہاشم نے باتھ روم کا دروازہ توڑ کر مردہ باپ کو وہاں سے نکالا تھا۔ یاد کرو میری..... یاد کرو۔ دروازہ توڑنے سے پہلے پچھلا دروازہ چیک کیا تھا کسی نے؟''

''وہ لاکڈ تھا۔'' میری خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔

''کس نے چیک کیا تھا؟ تم نے؟''

''میں کرنے لگی تھی، مگر....مسز کاردار نے مجھے نوشیرواں کو بلانے بھیجا، انہوں نے ہی چیک کیا تھا۔''

سعدی نے تھکی تھکی سانس اندر کھینچی۔ ''اور جب دروازہ ٹوٹا تو...؟''

''تو میں نے دیکھا، پچھلے دروازے کی کنڈی کھلی تھی۔ سعدی میں فلیپینو میڈ ہوں، میں گھر کے چپے چپے پہ نظر رکھتی ہوں، مجھے اچھی طرح یاد ہے کنڈی کھلی تھی، مگر جب میں ڈاکٹر کو کال کر کے آئی تو کنڈی بند تھی۔'' وہ اب بھی گویا نیند میں بول رہی تھی۔

''اور تمہیں ڈاکٹر کو کال کرنے مسز کاردار نے بھیجا ہوگا؟'' میری نے اثبات میں سر ہلایا۔ سعدی اٹھا اور اسٹڈی ٹیبل کی کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ وہ گہری سوچ میں گم لگتا تھا۔ میری جیسے نیند سے جاگی۔ ''تم بھی وہی سوچ رہے ہو جو میں سوچ رہی ہوں سعدی؟''

''شش!'' اس نے ہونٹوں پہ انگلی رکھی۔ ''دیواروں کے کان ہوتے ہیں میری، اور یہ بات کسی اور کو نہیں معلوم ہونی چاہیے۔'' پھر انگلیاں بالوں میں پھنساتے سر نیچے گرالیا۔ میری اب بھی بے یقین تھی، مگر وہ حیران نہیں تھی۔

''میں پچھلے ڈیڑھ دو سال سے یہی سوچتی آئی ہوں سعدی۔ مگر میں اتنا بڑا نتیجہ نکالنے سے ڈرتی تھی۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''تم یہاں سے نکلنا چاہتی ہو میری؟'' اس نے ایک دم سر اٹھا کر پوچھا تو میری کو اس کی آنکھوں میں چمک دکھی تھی۔

''مجھے صرف اپنی ملازمت واپس چاہیے۔''

''ٹھیک ہے، ہم اس معلومات کو استعمال کریں گے۔''

''چھوڑو اس سب کو سعدی، بھول جاؤ۔'' وہ خائف ہوئی۔ سعدی زخمی سا مسکرایا۔

''جب یوسف علیہ السلام کے ساتھی قیدیوں نے اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر سنی تو فوراً بولے کہ ہم تو مذاق کر رہے تھے، اور اپنے خواب سے مکر گئے مگر یوسف نے کہا، جب درست تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ بات ضرور ہو گی۔ میں یوسف نہیں ہوں، میں صرف ایک قیدی ہوں اور قید خانے کے خواب خطرناک ہوتے ہیں میری۔ یہ طے ہے کہ ہم میں سے ایک سولی چڑھے گا اور دوسرا اپنے پرانے مقام پہ واپس آ جائے گا۔ تم خطرہ مول لینے کو تیار ہو میری؟''

میری نے تذبذب سے اثبات میں سر ہلایا۔ سعدی نے سر پھر سے ہاتھوں میں گرالیا۔ نیند جانے کتنے دن کے لیے اڑ چکی تھی۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ دو سال کیوں نہ سمجھ سکا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انہی خوش گمانیوں میں کہیں جاں سے بھی نہ جاؤ

وہ جو چارہ گر نہیں ہے اسے زخم کیوں دکھاؤ؟

سرما کی اس سہ پہر ملاقاتی کمرے میں وہ جیسے ہی داخل ہوا، نگاہ سامنے بیٹھی سارہ اور امل پہ پڑی۔ فارس کی آنکھوں میں تفکر ابھرا۔ زمر کا ایک اور احسان کہ سپاہیوں نے انہیں اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ سارہ نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ زرد سا لگتا

تھا۔ سر کے خم سے سلام کیا۔ امل بھاگتی ہوئی آگے آئی اور اس سے لپٹ گئی۔ اس نے جھک کر اسے گلے لگایا' پھر ساتھ لئے سامنے آبیٹھا۔ وہ خوش نہیں لگ رہا تھا۔

''آپ کو ادھر نہیں آنا چاہیے تھا۔''

''تمہیں لگتا ہے میں آنا چاہتی تھی؟'' سارہ کی آنکھوں میں شکوہ ابھرا۔ ''امل پاگل ہو رہی تھی تمہارے لئے۔ یہ پہلی دفعہ نہیں ہے جب تم اسے چھوڑ کر گئے ہو۔'' نہ گلہ نہ شکوہ۔ بس وہ دکھی تھی۔ فارس کے چہرے کا تناؤ قدرے کم ہوا۔ گردن جھکا کر دیکھا۔ وہ بالوں کی اونچی پونی باندھے' تھوڑی سینے سے لگائے' اس کے ہاتھ کے زخم کے نشان پہ انگلی پھیر رہی تھی۔

''آپ کیسی ہیں؟'' نگاہیں اٹھا کر سنجیدگی مگر نرمی سے سارہ کو مخاطب کیا۔

''تم جیل میں ہو' ہم سب کیسے ہو سکتے ہیں۔ تم باہر تھے تو ایک سکون تھا' پتہ نہیں کس چیز کا مگر سکون تھا' اب نہیں رہا۔''

''میں کچھ دن میں باہر آ جاؤں گا۔ آپ پریشان مت ہوں۔''

''میں غصہ ہوں' میں خفا ہوں تم پہ فارس!'' وہ بے بسی سی اس کو دیکھ کر کہہ رہی تھی جس کی شیو ذرا بڑھی تھی' اور ہونٹوں پہ کٹ کا نشان تھا' مگر آنکھوں میں وہی سپاٹ پن تھا۔ ''کیوں بار بار مصیبت میں پھنس جاتے ہو؟ ہمیں کب یقین ہو گا کہ تم اب ہمیں چھوڑ کر نہیں جاؤ گے؟''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''سب ٹھیک ہو جائے گا سارہ۔''

''پتہ نہیں سب کب ٹھیک ہو گا۔ جو سعدی کے ساتھ ہوا' جس طرح ان لوگوں نے اس کو گولیاں ماریں' پھر اس کو جانوروں کی طرح پیٹا...'' سارہ کی آنکھیں بولتے بولتے گلابی ہوئیں۔ ''پھر اس کو اغوا کر کے لے گئے۔ یہ سب پتہ نہیں اب کس کس کے ساتھ دہرایا جائے گا۔'' پھر سر جھٹکتے ہوئے ایک پیکٹ امل کی طرف بڑھایا۔ ''امل' دو چاچو کو۔'' اور وہ جو سارہ کی بات پہ ایک دم سے اسے دیکھنے لگ گیا تھا' ذرا چونکا۔ امل نے فوراً پیکٹ تھاما اور اس کو تھمایا۔ ''یہ بابا کا سویٹر ہے۔ ماما نے کہا' سردی بڑھ گئی ہے بارشوں کے بعد سے' تو آپ کو چاہیے ہو گا۔'' وہ شرما کر کہہ رہی تھی۔ فارس نے ایک نظر ہاتھ سے بنے بھورے سویٹر کو دیکھا' پھر اس کے سر کے بال ہولے سے تھپکے۔ بولا کچھ نہیں۔

''اپنا خیال رکھنا فارس!'' وہ اب جانے کے لئے اٹھ رہی تھی۔ فارس بھی کھڑا ہو گیا۔

''عجیب بات ہے سارہ' سعدی کے بارے میں سوشل میڈیا' پولیس' رپورٹرز سب نے کہا تھا کہ اسے ''پہلے'' مارا پیٹا گیا' گولی ''بعد'' میں ماری گئی' کیونکہ گولیاں عموماً آخر میں ہی ماری جاتی ہیں' مگر اس کے ڈاکٹر نے ایک دن یونہی مجھے بتایا کہ ایسا لگتا ہے جیسے اسے ''پہلے'' گولیاں ماری گئیں' پھر مار پیٹ کی گئی۔''

''اس میں عجیب کیا ہے؟'' وہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔ فارس اس کی آنکھوں کا رنگ دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرایا۔

''صرف یہی کہ آپ کو بھی درست ترتیب معلوم ہے۔'' سارہ کا سانس ایک دم تھم گیا۔

''نہیں' میں تو بنا سوچے بول رہی تھی۔ اب تو اپنی باتیں خود بھی نہیں یاد رہتیں۔'' بدقت مسکرائی۔

''آف کورس، میں تو یونہی کہہ رہا تھا۔'' فارس نے سر کو خم دے کر احترام سے اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

سارہ کے جانے کے قریباً آدھے گھنٹے بعد وہ زمر کے ساتھ اسی کمرے میں بیٹھا تھا۔ سارہ کے برعکس وہ جو اس ماحول کی عادی تھی' سامنے بیٹھی سنجیدگی سے نوٹ پیڈ پہ قلم گھسیٹتی اسے کل کا لائحہ عمل لکھ کر بتا رہی تھی۔ (دیواروں کے کانوں کی کیا خبر) ساتھ ہی بار بار شیشے کی چھوٹی بوتل سے پانی کا گھونٹ بھی بھرتی اور رکھ دیتی۔

''چونکہ بدقسمتی سے میں تمہاری وکیل ہوں' اس لیے اپنے اور قمر الدین صاحب کے تعلقات کی تفصیل بتاؤ مجھے۔''

''مجھے یاد نہیں۔'' وہ بےزاری سے سر جھٹک کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

''فارس ایسے نہیں چلے گا۔ میں تمہارا کیس کیسے لڑوں گی جب تم مجھے کچھ بتاؤ گے ہی نہیں؟''

''تو مت لڑیں۔ میں نے نہیں کہا لڑنے کو۔'' اس نے سنجیدگی سے اسے دیکھتے شانے اچکائے۔ زمر نے بمشکل ضبط کیا۔

''میری بھی مجبوری ہے فارس غازی۔ کیونکہ میں نہیں بھولی کہ ہم ایک ٹیم ہیں! اس لیے مجھے کچھ تو بتاؤ تاکہ میں ٹرائل کی تیاری کر سکوں۔''

وہ ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' اسے دیکھتا رہا۔ ''مجھے یاد نہیں۔''

''پھر سڑو حوالات میں!'' وہ کھول کر اٹھی' شیشے کی بوتل' اور فائلز اٹھائیں اور دروازے کی طرف بڑھی۔

''جیسے اس ملک میں واقعی قانون نام کی کوئی چیز ہے۔'' وہ سر جھٹک کر بڑبڑایا تھا۔

زمر دروازے پہ رکی۔ مڑی نہیں۔ ''کیا کہا تم نے؟''

''جائیں زمر بی بی۔ میرے پاس آپ سے بحث کرنے کا وقت نہیں ہے۔'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

زمر دو قدم آگے آئی' فائلز میز پہ دھریں' اور غرائی۔ ''میں نے پوچھا... کیا... کہا تم نے۔''

''میں نے کہا جیسے اس ملک میں واقعی قانون نام کی کوئی چیز ہے۔''

زمر کے کان سرخ پڑے' چہرہ دہکنے لگا۔ خالی ہاتھ اور بوتل والا ہاتھ میز پہ رکھ کر آگے کو جھکی۔ ''کیسے کہہ سکتے ہو تم کہ اس ملک میں قانون نہیں ہے؟ اس ملک میں کوئی قانون پہ چلنے والا نہیں ہے؟ اگر اس ملک میں کوئی ایماندار نہ ہوتا تو تمہارا بھائی کیسے ایماندار تھا؟ یہ ملک زندہ کیسے ہے اگر اس میں قانون نہ ہو؟ اور پلیز مت شروع کرنا میرے سامنے اپنے ٹرائل کا ذکر۔ ہاں ٹھیک ہے' نہیں ہوا تمہارا فیئر ٹرائل' تم بری بھی بلیک میلنگ کے ذریعے ہوئے تھے۔ تمہیں ''انصاف'' نہیں ملا عدالت سے' لیکن اپنے اس بددماغ سے دماغ میں یہ بات بٹھا لو فارس غازی کہ اس ملک' بلکہ دنیا کے ہر ملک کی عدالتیں ''انصاف کی عدالتیں'' نہیں ہوتیں' وہ ''قانون کی عدالتیں'' ہوتی ہیں۔ اگر اس ملک میں قانون نہ ہوتا تو مجرموں کو ملک سے راتوں رات بھاگنا نہ پڑتا' لوگ گواہوں کو نہ خریدتے' پاسپورٹ پہ بیک ڈیٹ میں ایگزٹ اسٹیمپ نہ لگاتے۔ اگر اس ملک میں قانون نہ ہوتا تو مجرم دھڑلے سے جرم کر کے عدالت میں تسلیم بھی کر لیتے مگر کوئی... کوئی نہیں تسلیم کرتا عدالت میں کیونکہ اسے پتہ ہے اگر تسلیم کر لیا تو فیصلہ قانون کے مطابق ہوگا۔ اسی ملک میں عدالتوں نے کئی دفعہ ہر خطرے' اور ہر دھمکی سے بےخوف

ہو کر بڑے بڑے نڈر فیصلے بھی کیے ہیں۔اسی ملک میں بڑے بڑے لوگوں کو ان چھوٹے چھوٹے جج نے جیل بھیجا ہے۔اگر اس ملک میں قانون نہ ہوتا تو کوئی ایک شخص بھی رات کو سو نہ سکتا' مگر ہم سب سوتے ہیں' کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ ابھی اتنی بھی اندھیر نگری نہیں مچی۔ قانون کمزور ہے، بے بس ہے، مگر وہ "ہے"۔ وہ ہے تب ہی تو اس سے گلہ ہے۔اس ملک میں ...فارس غازی ...قانون....ہے....اور چاہے تم اسے مانو یا نہ مانو...وہ قانون مجھ سے' تم سے' ہم سب سے اوپر ہے۔اس لئے آئندہ میرے سامنے یہ کہنے کی ہمت نہ کرنا کہ اس ملک میں قانون نہیں ہے۔ سنا تم نے؟ سنا تم نے؟" بے ربط سانسوں کے درمیان غصے اور برہمی سے غراتے وہ کہہ رہی تھی اور وہ خاموشی سے اسے دیکھتا سن رہا تھا، جب زور کا چھناکا ہوا۔زمر نے جو کانچ کی نازک بوتل بے حد سختی سے بھینچ رکھی تھی' وہ اس کے ہاتھ میں ٹوٹ گئی تھی۔"آہ۔" وہ ایک دم پیچھے کو ہٹی۔چھن چھن' ٹکڑے نیچے گرے۔

وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا اور اس کا ہاتھ پکڑا۔کانچ اندر بھی لگا تھا اور خون بھل بھل گر رہا تھا۔تیز تیز سانس لیتی زمر نے ناراضی سے ہاتھ نکالنے کی کوشش کی' مگر اس نے دوسرے ہاتھ سے اس کی کلائی بھی پکڑ لی' پھر ایک خفا نظر زمر کے دہکتے گلابی چہرے پہ ڈال کر آہستہ سے کانچ نکالنے لگا۔ درد کی شدت سے اس نے آنکھیں بند کر لیں پھر فوراً کھول لیں کہ ان میں پانی در آیا تھا۔

"یہی چاہتے تھے نا تم' کہ میں تمہارے سامنے ٹوٹوں؟ رووں؟" آنسو اندر اتارتی وہ اسی برہمی سے بولی تو آواز بھیگی ہوئی تھی۔فارس نے کانچ نکالتے چونک کر اسے دیکھا' اور جیسے کچھ کہنے لگا تھا...جیسے انکار کرنے لگا تھا' مگر پھر خاموشی سے سر جھکائے کانچ نکالا۔خون ایک دم تیزی سے بہنے لگا تھا۔ہتھیلی کے عین وسط میں کٹ لگا تھا۔اس نے ادھر ادھر کسی چیز کی تلاش میں دیکھا' مگر کچھ بھی نہ تھا' تو ایک ہاتھ سے اس کی کلائی پکڑے' دوسرا ہاتھ ہتھیلی پہ رکھ کر دبایا۔اپنے ہاتھ بھی خون آلود ہونے لگے۔چند بوندیں نیچے بھی گری تھیں۔دونوں اسی طرح چند لمحے کھڑے رہے' پھر اس نے نظر اٹھا کر دیکھا وہ انہی گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ایک طرف میرے زخموں پہ مرہم لگاتے ہو کہتے ہو کہ میں روڈ' bossy' غصہ ور اچھی لگتی ہوں' روتے ہوئے نہیں' اور دوسری طرف کہتے ہو مجھے گرا ہوا' ٹوٹا ہوا' رسوا اور ذلیل ہوا دیکھنا چاہتے ہو؟ ان میں سچ کون سا ہے؟" وہ اسی طرح زخم پہ ہاتھ رکھے کھڑا تھا اور وہ پوچھ رہی تھی۔"اگر وہ ریسٹورانٹ والی باتیں سچ تھیں تو پچھلی ہر بات جھوٹ تھی' یہ بھی جھوٹ ہے۔" اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ نکالنا چاہا' مگر اس نے مزید مضبوطی سے پکڑ لیا۔"اوں ہوں' ایک منٹ۔خون رکنے دیں۔"

"پتہ ہے کیا فارس!" وہ اسی شاکی انداز میں بولی تھی۔"تم دو دلوں کے ساتھ جی رہے ہو۔ایک میں زرتاشہ سے محبت نہ کرنے کا گلٹ ہے' ایک میں مجھ سے بہت زیادہ محبت کر لینے کا گلٹ ہے۔تمہارے یہ دونوں دل جھوٹ بولتے ہیں۔زرتاشہ سے محبت تھی تمہیں' اور تمہاری سوچ سے زیادہ ہی تھی۔یہ صرف گلٹ نہیں ہے' جس کی وجہ سے لڑ رہے ہو اس کے لئے۔اور رہی میں!" اس نے بھیگی پلکیں بند کر کے آنسو اندر اتارے اور جب آنکھیں کھولیں تو وہ خشک تھیں۔"تو مجھ سے تمہیں زرتاشہ سے کئی گنا زیادہ محبت ہے' مگر وہ اتنی اونچی اور عظیم نہیں ہے کہ تم اس میں ہر چیز معاف کر دو۔نہ وہ اتنی کمزور اور کھوکھلی ہے کہ تم اس میں مجھے گرا ہوا دیکھنے کی خواہش کرو۔اللہ نے نہیں بنائے کسی آدمی

کے سینے میں دو دل۔ تمہیں اپنے دل کو ایک جگہ ایک طرف رکھنا ہوگا' اور خود سے سچ بولنا پڑے گا۔''

فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا' دیکھتا رہا۔ پھر چہرہ جھکائے اپنا ہاتھ ہٹا کر دیکھا' ہتھیلی کے کٹ سے بہتا خون رک چکا تھا۔ اسی طرح اس نے زمر کا ہاتھ اوپر کیا' اور لبوں سے لگایا۔ آنکھیں بند کیے۔ چند لمحے۔ چند سانسیں۔ پھر چھوڑ دیا۔ اور دو قدم پیچھے ہٹا۔ ''اپنا خیال رکھا کریں۔''

''یہ بھی جھوٹ ہے۔'' زمر نے دکھ سے اسے دیکھا' اور اپنی چیزیں اٹھائے' باہر نکل گئی۔ پھر الٹے قدموں واپس آئی، اور ادھ کھلا دروازہ زور سے دے مارنے کے انداز میں بند کیا۔ اس کی دھمک اب کتنی ہی دیر دونوں کے کانوں میں گونجتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کہانیاں ادھوری، جو نہ ہوسکیں گی پوری

انہیں میں بھی کیوں سناؤں، انہیں تم بھی کیوں سناؤ؟

ہاسپٹل کے پرائیوٹ رومز کی راہداری میں سفید بتیاں روشن تھیں۔ چمکتے فرش پہ ان تینوں کا عکس نظر آ رہا تھا۔ سفید اوور آل پہنے، موٹا چشمہ لگائے' اور بال جوڑے میں باندھے حنین ایک فربہی مائل نرس سے بات کر رہی تھی۔ تبھی سیم نے اسے فکرمندی سے دیکھا۔ ''حنہ تم ویسے کرلو گی جیسے پھپھو نے کہا ہے۔''

''ہاں' مسئلہ ہی نہیں ہے۔'' حنہ نے شانے اچکائے' کولڈر سنبھالا' عینک ناک پہ پیچھے دھکیلی اور سیم کو وہیں چھوڑ کر نرس کے ساتھ آگے چلی گئی۔

ہسپتال کی وباء اور شفاء سے رچی بسی فضا میں لمحے خاموشی سے پھسلتے رہے۔ ایک کمرے میں بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھی حنین اب گلاسز اتارے سامنے نیم دراز سنہرے بالوں والی لڑکی کو دیکھ کر اسی اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

''آپ ساری تفصیل سن چکی ہیں' شہزا۔ میں ڈاکٹر نہیں ہوں' آپ سے ملنے کے لئے یہ کرنا پڑا کیونکہ باہر سیکیورٹی بہت ہے۔ یہ میرے بھائی کے کیس کی تفصیلات ہیں۔'' اس نے فائل کھول کر شہزا ملک کے سامنے کی۔ وہ پیچھے کو ہوئی' بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے' نقاہت زدہ مگر سپاٹ نظروں سے حنہ کو دیکھ رہی تھی۔ ''وہ بھی اغوا ہوا تھا آپ کی طرح۔ آپ مل گئیں' وہ نہیں ملا۔ اس کو اغوا کرنے والا نیاز بیگ... میری فیملی کو اسے جیل میں منتقل رکھنے کے لئے آپ کے کیس کو وجہ بنانا پڑا۔ تب آپ کوما میں تھیں۔ شکر ہے کہ اب آپ ٹھیک ہیں۔'' اس نے گہری سانس لی۔ شہزا اب بھی خاموش تھی۔ نرس دروازے پہ بے چین سی کھڑی تھی۔

''ایک ہفتہ آپ کو ہوش میں آئے ہوگیا ہے' لیکن آپ اپنے مجرموں کے بارے میں کوئی بیان نہیں دے رہیں۔ میں جانتی ہوں کہ آپ خوفزدہ ہیں۔ آپ بہت ٹارچر سے گزری ہیں۔ ہم بھی گزر رہے ہیں۔ اسی لئے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ اپنے مجرموں کا نام آپ لیں یا نہ لیں' لیکن اس شخص نیاز بیگ کو جیل سے نہ نکلنے دیں' تاکہ کل کو کوئی اور شہزا یا سعدی نہ اغوا کیا جاسکے۔ اور ہاں...'' اس نے اضافہ کیا۔ ''آپ کو اپنے مجرموں کے خلاف کوئی مدد چاہیے ہو تو ہم آپ کے ساتھ ہیں۔'' گویا دیوار سے بولتے بولتے وہ چپ ہوگئی۔ اب مزید کیا کہے۔

''تمہیں پتہ ہے دنیا میں کتنی آوازیں ہوتی ہیں؟'' وہ حنہ کے چہرے پہ نظریں جمائے تلخی سے گویا ہوئی۔ حنین کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ ''سوری میں...''

''اَن گنت۔ دنیا میں ان گنت آوازیں ہوتی ہیں۔ جسم کے پتھریلی زمین پہ گھسیٹنے کی آواز' کمر سے پتھر رگڑنے کی خراشوں کی آواز.. سوکھے پتوں اور جھاڑیوں پہ کھینچے جانے کی آواز... بیچ جنگل کے آپ کولا پٹخنے کی آواز... پھر گڑھا کھودنے کی ... مٹی باہر پھینکنے کی آواز... بالوں سے کھینچ کر گڑھے میں ڈالنے کی آواز... ہاتھوں سے مٹی اوپر ڈالنے کی آواز.... بے ترتیب سانسوں کی آواز... مٹی کے اوپر پتے ڈالنے کی... پھر سوکھے چرمر پتوں پہ دور جاتے بھاری بوٹس کی آواز... پھر جنگل کی خاموشی کی آواز.... زندہ قبر کے اوپر سانپ رینگنے کی آواز... پرندوں کے ایک دم سے درختوں سے اڑ جانے کی... جنگلی سوروں کی آواز.... ان کے آپ کے اوپر پتوں کو سونگھتے پھرنے کی آواز... کتوں کی بھونک... کیڑوں کے جسم پہ رینگنے کی آواز.... خنزیروں کے بدبودار سانسوں کی آواز.... رات کی تاریکی کی ہولناک آواز.... گدھوں کے اوپر منڈلانے کی آواز.... پھر دور کہیں انسانوں کی آواز.... خنزیروں کے بھاگ جانے کی آواز.... آتے قدموں کی آواز.... تمہیں پتہ ہے دنیا میں کتنی آوازیں ہوتی ہیں؟'' وہ پتھریلے چہرے اور سرخ آنکھوں کے ساتھ کہہ رہی تھی اور حنین بالکل ساکت' لب کھولے سن رہی تھی۔

''میں نے بہت سی آوازیں سنی ہیں' اس جنگل میں نیم مردہ حالت میں پڑے۔ میں اس لئے خاموش نہیں ہوں کہ میں خوفزدہ ہوں یا میرے ذہن پہ اثر ہو گیا ہے۔ مجھے تمہاری' یا تمہارے بھائی کی مدد کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے' کیونکہ کوئی بھی حق کہ بھائی بھی اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کے لئے کچھ کیا جائے۔ تم جا سکتی ہو۔''

ہکا بکا بیٹھی حنہ ایک دم اٹھی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ بے ترتیب سانسوں اور سفید چہرے کے ساتھ وہ تیز تیز چلتی راہداری کا موڑ مڑی تو سیم انتظار کر رہا تھا۔ ''تم نے کر لیا' حنہ؟'' وہ آگے چلتی گئی۔ سیم پیچھے لپکا۔ حنین نفی میں سر ہلاتی تیز تیز چلتی جا رہی تھی۔ سیم دیکھ سکتا تھا کہ وہ جس چہرے کے ساتھ گئی تھی' اس کے ساتھ واپس نہیں لوٹی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عداوت ہی عداوت ہے، محبت بھول بیٹھا ہوں
چلو کوئی تو رشتہ ہے اسے پھر یاد کرنے کو

زمر کے جانے کے بعد سے وہ لاک اَپ میں قید تھا۔ دیوار کے ساتھ اکڑوں بیٹھے' گہری سوچ میں گم۔ بار بار اس کی زرد رنگت نگاہوں میں گھومتی تھی۔ (تم مجھے ٹوٹا ہوا دیکھنا چاہتے ہو نا!) فارس نے سر جھٹکا۔ ''ہاں' میں ایسا ہی دیکھنا چاہتا ہوں آپ کو۔'' اس نے آنکھیں بند کیں۔ ذہن کے پردے پہ ایک منظر سا سوچنا چاہا۔ اس کی فرضی خواہش کا منظر.... مگر پھر تکلیف سے آنکھیں کھول دیں۔

یہ تصور وہی تھا جو وہ چاہتا تھا' پھر اس کو سوچ کر دکھ کیوں ہوتا تھا؟ خوشی تو زمر کے الزام اور ان تمام طنز و طعنے بھری باتوں سے بھی نہیں ہوتی تھی' اصولاً تو اس ٹوٹی پھوٹی شرمندہ لڑکی کو تصور میں دیکھ کر خوشی ہونی چاہیے تھی' مگر نہیں ہوتی تھی۔ اسی لئے تو کی تھی اس سے شادی' وہ

اس کو خود اذیتی کا شکار کرے گا ضمیر کی ملامت سے گھیر لے گا پھر یہ سوچ کر خوشی یا تسکین کیوں نہیں ملتی تھی؟ کیا وجوہات وہی تھیں جو وہ سوچتا تھا؟ یا جو وہ سوچتا تھا وہ صرف توجیہات تھیں؟

حوالات کی سیاہ سلاخوں کے پار مدھم روشنی تھی۔ اس روشنی کو بے خیالی سے دیکھتے فارس غازی کا ذہن ایک دفعہ پھر پیچھے چلا گیا....

ولایت بیگم کا گھر اس نے کیوں چھوڑا تھا؟ وہ کیوں ایک رات گھر سے نکلا تھا؟ وہ چاہتا بھی تو نہ بھلا سکتا تھا۔

لڑائی ہوئی تھی گھر میں۔ ہوتی پہلے بھی تھی' مگر اس رات کچن میں کسی بات پہ اونچا اونچا بولتے' جھگڑتے ولایت بیگم نے ہاتھ مار کر سالن کا ڈونگا گرا لیا تھا' اور گرم گرم سالن سیدھا اس کی ماں کے پیروں پہ گرا تھا۔ سانحہ یہ نہیں تھا۔ سانحہ یہ تھا کہ اس کا باپ تب بھی کمزوروں کی طرح ولایت بیگم کو منانے اور ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ غصہ فارس کے اندر ابل ابل رہا تھا۔ وہ کمرے میں بیٹھی' پیر کے آبلوں پہ مرہم لگاتی علیمہ کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ وہ اب ادھر نہیں رہیں گے' وہ اس کے ساتھ واپس چلے' مگر علیمہ اس کو صبر' تحمل اور برداشت کا درس دیتی رہی۔ وہ بھی ایک کمزور عورت تھی۔ ٹوٹی' پسی ہوئی عورت جو کبھی ظلم کے خلاف نہیں کھڑی ہو گی۔ اس وقت اس کے نزدیک یہ سب ظلم ہی تھا۔ اور اپنی ماں سے پہلی دفعہ وہ دل برداشتہ ہوا تھا۔ پیر میں جوتی تھی یا نہیں' وہ وہاں سے نکل بھاگا۔ طویل سرد سڑکوں پہ وہ چلتا رہا' چلتا رہا۔ کیسے قصر کاردار پہنچا' کچھ یاد نہیں۔ جواہرات نے اس کو اپنے گھر میں پناہ دی' پیر کے مرہم لگائے' اور پھر اس کے ماں باپ کو بلا لیا۔ جانے کس نے طے کیا' مگر اس کے بعد علیمہ ادھر ہی انیکسی میں رہنے لگی۔ وہ ماں سے خفا تھا۔ وقت کے ساتھ خفگی ڈھل گئی' مگر دل کا کانٹا ساری زندگی نہیں نکلا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اسے بھی دل میں باتیں رکھ کر نہ نکالنے کی بیماری ہے۔

ولایت بیگم کی وفات کے بعد ندرت اور وارث کو ابو انیکسی میں لے آئے۔ علیمہ کا رویہ ان کے ساتھ عجیب سا تھا۔ ولایت بیگم کے گھر میں وہ بے بس ہوتی تھی' یہاں وہ مالکن تھی۔ ظلم نہیں کرتی تھی' ہر شے مہیا کرتی تھی' ہر سہولت' ہر آسائش' مگر ان سے بات نہیں کرتی تھی۔ ندرت کے اپنے غم بہت تھے۔ شادی کے بعد شوہر سے ناراضی اور شیر خوار بچے کو سسرال والوں کے رحم و کرم پہ چھوڑ آنے کا غم' وہ بہت دکھی رہتی تھی۔ وارث خاموش رہتا تھا۔ جیسے نہ کسی سے محبت ہو' نہ کسی سے گلہ۔ پھر آہستہ آہستہ وقت بدلا۔ ندرت اسکے کام کرنے لگ گئی۔ اس کا خیال رکھنے لگ گئی۔ وہ چھوٹا تھا' وارث سے بھی کافی چھوٹا' ندرت کو اس میں سعدی نظر آنے لگا تھا۔ وہ کبھی کبھی بے خیالی میں اسے سعدی بھی پکار دیتی' وہ برا مانے بغیر چپ چاپ آ جاتا تھا۔ اس کی تصحیح نہیں کرتا تھا۔

وارث گلاسز لگاتا تھا۔ پڑھتے وقت بھی' ٹی وی دیکھتے وقت بھی۔ سرما کی ایک شام وہ انیکسی کے لاؤنج میں بیٹھے تھے' جب ابو نے وارث سے کوئی شے ڈھونڈنے کو کہا' تو وہ جو بغیر عینک کے بیٹھا تھا' سادگی سے بولا کہ اس کی عینک ٹوٹ گئی ہے' وہ نہیں ڈھونڈ سکتا۔ ابو نے وہی کام فارس سے کہہ دیا۔ فارس خاموشی سے اٹھا' اور اندر گیا۔ واپس آیا تو ہاتھ میں وارث کی عینک تھی' جس کے شیشے نکلے ہوئے تھے۔ عینک اس نے وارث کے سامنے رکھی۔ ''اس کے شیشے ہوتے' تب بھی وہ زیرو نمبر کے تھے۔ ان سے تمہاری نظر پہ کوئی فرق نہ پڑتا۔ جاؤ' اور جو ابو نے کہا ہے وہ ڈھونڈ کر لاؤ۔''

اس نے یہ الفاظ بہت آہستہ سے کہے تھے۔ ٹی وی کا شور تھا' اور ابو دور تھے' سن نہ سکے۔ وارث کا رنگ سفید پڑا۔ اس کی چوری پکڑی گئی تھی۔ اس وقت تو وہ چپ چاپ اٹھ گیا' لیکن رات کو اس کے ساتھ والے سنگل بیڈ پہ لیٹتے اس نے پوچھا تھا۔ ''تمہیں کیسے پتہ کہ میری نظر کمزور نہیں ہے؟''

''مجھے پتہ ہے۔'' وہ چت لیٹے چھت کو دیکھتے بولا تھا۔

''میں اس لئے لگاتا ہوں کیونکہ مجھے عینک اچھی لگتی ہے۔'' کچھ دیر بعد اس نے خود ہی وضاحت دی۔ فارس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا' وہ کہنا چاہتا تھا کہ یہ تم پہ اچھی نہیں لگتی' اس سے تمہاری آنکھیں اندر کو دھنس جائیں گی' مگر اس نے وارث کا چہرہ دیکھا' اور اس کا دل نہیں چاہا کہ وہ اس کی خوشی چھین لے۔

''ہاں' یہ تم پہ اچھی لگتی ہے۔'' اس دن کے بعد ان دونوں کے پاس ایک دوسرے سے کرنے کے لئے بہت سی باتیں ہوتی تھیں۔ وارث اس کا دوست بن گیا' وہ کبھی کبھی اس کو ڈانٹ بھی دیتا تھا' جب اسکول میں فارس کسی سے لڑ کر' کسی کا دانت توڑ کر آتا' تو وارث غصے سے اس کو کالر سے پکڑ کر جھنجھوڑتا۔ ''یوں لڑتے رہو گے لوگوں سے تو جیل میں پڑے ہو گے کسی دن۔'' اور اب فارس سوچتا تھا' کہ وہ جیل اس لیے گیا تھا کیونکہ اس دفعہ وارث لڑا تھا!

امی کی وفات کے بعد اس کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ سارا سارا دن سڑکوں پہ آوارہ پھرتا رہتا تھا۔ بے مقصد، بے رونق زندگی کو ایک دم وہ صرف گزارنے لگا تھا۔ کبھی دوستوں کے ساتھ کسی طرف نکل گیا۔ تو کبھی اکیلا کسی ٹرین میں بیٹھ گیا۔ وارث لاہور تھا' ندرت اپنے گھر میں خوش' اور ابو کو وفات پائے تو عرصہ بیت چکا تھا۔ فارس کی زندگی میں اکتاہٹ' بےگانگی بڑھ گئی تھی۔ اس کا دل پڑھائی میں نہیں لگتا تھا۔ کچھ دوستوں کے ساتھ وہ شکار پہ جانے لگا تھا۔ ماں باپ کا چھوڑا ہوا پیسہ وہ جھونکتا جا رہا تھا۔ وہ گنز' وہ خوبصورت گنز۔ جن کو ہاتھ میں پکڑ کر تاک کر کسی پرندے کی طرف نشانہ باندھنے کی کیفیت اور سرور ہی کچھ اور ہوتا تھا۔ وہ گنز اس کا جنون بنتی گئیں۔ ندرت اس کی حالت' اور یہ 'آوارگی' دیکھ کر اسے اپنے ساتھ لے آئیں۔ عام حالات میں وہ بہن کے گھر جا کر نہ رہتا' مگر اپنے گھر میں ذہن ایسے پراگندہ رہتا تھا کہ وحشت ہونے لگتی۔ حنہ تب تین سال کی تھی۔ سعدی اسکول جاتا تھا' ایک وہی ہوتی تھی جو دن رات اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی تھی۔ اتنا بولتی کہ الامان۔ یہ کیوں ہے؟ یہ کیا ہے؟ وہ کبھی زچ ہو جاتا' کبھی ہنس دیتا۔ زندگی انہی دو انتہاؤں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔

وہ پڑھائی میں ہر گزرتے دن نکما ہوتا جا رہا تھا۔ دور کے شہروں' جنگل' بیابانوں میں جانا' کئی کئی دن گھر نہ لوٹنا' عجیب تھی اس کی زندگی بھی۔ وارث فون پہ غصہ کرتا رہتا' وہ فون بند کر دیتا۔ ندرت پیار سے سمجھاتیں' وہ دوسرے کان سے نکال دیتا۔

پھر ایک دن ندرت کے سسر آئے۔ پتہ نہیں ندرت نے ان سے کیا کہا تھا کہ جب وہ ان کے پاس اکیلا' چپ اور بےزار سا بیٹھا تھا' تو وہ اس سے باتوں باتوں میں پوچھنے لگے۔ ''تم کیا کرو گے آگے؟ کیریئر کے حوالے سے؟''

''جس چیز کا موڈ بنا۔'' اسے لگا ابھی لیکچر شروع ہو گا' سو مزید اکتا گیا۔

''تمہاری زندگی میں ترجیحات کیا ہیں؟''

''کیا؟'' وہ واقعی الجھا تھا۔

''تمہاری ترجیحات؟ کس کو سب سے اوپر رکھتے ہو؟ کس کے لئے سب کچھ کر سکتے ہو؟''

فارس لمحے بھر کو چپ ہوا۔ ''اپنے خاندان کے لیے۔''

''وہ تو ابھی ہے نہیں۔''

''ہے تو سہی۔''

''خاندان بیوی اور بچوں کا نام ہوتا ہے۔ میں جو اتنے استحقاق سے اس گھر میں آتا ہوں اس لئے کہ یہ میرے بیٹے کا گھر ہے۔ کیا میں اپنے بھائی یا بہن کے گھر اتنے استحقاق سے جا سکتا ہوں؟ حکم چلا سکتا ہوں؟ نہیں۔ وہ بھی میرا خاندان ہیں' لیکن اس عمر میں آ کر بیوی بچے سب سے پہلے آتے ہیں۔ تم کیا چاہتے ہو زندگی میں؟''

وہ متذبذب رہا۔ زیادہ بات نہیں کر سکا' مگر چند دن وہ سوچتا رہا۔ پھر ایک دن وہ ان کے گھر گیا۔ معلوم ہوا تھا کہ ان کی بیٹی کا جہیز جل گیا ہے' بہت نقصان ہوا ہے۔ وہ افسوس کے لئے گیا تھا' مگران کے پاس بیٹھے' اس نے ان سے کہا تھا۔

''میری ترجیحات ایک سادہ زندگی کی ہیں۔ میری بیوی' میرے بچے' ایک چھوٹا سا گھر' جس میں کوئی پیچیدگیاں نہ ہوں۔ کوئی سازشیں' کوئی منافقت، کوئی دوسری بیوی کے جھگڑے نہ ہوں۔ ایک سادہ زندگی گزاروں میں۔ نائن ٹو فائیو کی جاب' اور گھر کا سکون۔ یہی چاہتا ہوں میں۔''

''پھر محنت کرو۔ اپنی بیوی اور بچوں کا سوچ کر محنت کرو' کہ تم ان کو کیا دے سکتے ہو۔'' اور اس گفتگو نے فارس کی سوچ بدل دی تھی۔ وہ جیسے کسی لمبے خواب سے جاگا تھا۔

آنے والے سالوں میں خود پہ خوامخواہ کے چڑھے قرضے' پڑھائی کی تکمیل، نوکری، ہر فرض کی ادائیگی میں ندرت کے سسر نے اس کی مدد کی تھی۔ ان سے اس کا کوئی رشتہ نہ تھا' (سوائے دور پار کی رشتے داری کے) مگر احسانات بڑھتے جا رہے تھے۔ وہ ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ ان کی بات جیسے سنتا کسی اور کی نہیں سنتا تھا۔

وہ نوکری میں اچھا جا رہا تھا، سادہ زندگی سادہ ہی چل رہی تھی، لیکن پھر اسے اندرونِ سندھ بھیج دیا گیا۔ وارث اگلے ماہ اس سے ملنے آیا تو سخت برہم تھا۔ ''تم نے مجھے کہا کہ تمہاری سندھ میں پوسٹنگ ہوئی ہے!''

''اور نہیں تو کیا؟''

''تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہیں یہاں سزا کے طور پہ بھیجا گیا ہے۔'' وہ بے حد تیخ پا ہو رہا تھا۔ فارس نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''میں نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔''

''یہی بات تم نے کہی تھی اپنے ڈائیریکٹر سے۔ فارس تم نے غلط کیا ہے۔ اس بینک آفیسر کے اریسٹ وارنٹ نکل رہے تھے اور تم نے اسے اطلاع دے دی تا کہ وہ ضمانت قبل از گرفتاری کروالے!''

''پہلی بات، میں نے کوئی ثبوت چھوڑا نہیں، دوسری بات، وہ بینک آفیسر تین چھوٹی چھوٹی بیٹیوں کی ماں ہے اور بے گناہ ہے۔''

''تو وہ اس کے ٹرائل میں ثابت ہو جائے گا کہ وہ بے گناہ ہے۔ تمہیں بیچ میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''وارث وہ ایک جوان، مڈل کلاس عورت ہے، اگر وہ بے گناہ نہ ہوتی تب بھی میں اس کو خبردار کرتا، ضمانت اس کی چوبیس گھنٹوں میں ہو ہی جاتی لیکن اگر وہ ایک رات بھی حوالات میں گزار دیتی، تو وارث اس کی زندگی برباد ہو جاتی۔ مرد کئی سال بھی جیل میں رہے تو کچھ نہیں ہوتا، عورت کو کون قبول کرے گا بعد میں؟ ہاں ٹھیک ہے میں نے جرم کیا ہے۔'' وہ بھی برہمی سے بول رہا تھا۔ ''لیکن مجھے دس بار ایسا موقع ملے میں تب بھی یہی کروں گا۔ کیونکہ میں اسی معاشرے میں رہتا ہوں جہاں جیل میں ایک رات بھی رہی عورت کی بیٹیوں کی شادیاں نہیں ہو پاتیں۔ میرا ضمیر مطمئن ہے، کیونکہ جو قانون روٹی نہیں دے سکتا، وہ ہاتھ نہیں کاٹ سکتا۔ بھلے اس کی پاداش میں مجھے کتنے ہی سال اس چھوٹے شہر میں پوسٹڈ رہنا پڑے۔''

''فارس!'' وہ تھک کر ساتھ بیٹھا اور سمجھانے لگا۔ ''دیکھو''صحیح'' کام کرنے کے لیے قانون توڑنا ضروری نہیں ہے۔ میں بائی دی بک کام کرنے والا آدمی ہوں، مجھے تمہارا یہ ویجیلانٹ رویہ ڈراتا ہے۔ اگر ان کو کوئی ثبوت مل جاتا تو تم جیل بھی جا سکتے تھے، اور اگر تمہاری یہی حرکتیں رہیں نا، تو میں اگلے پانچ سال بعد تمہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے دیکھ رہا ہوں۔'' سمجھاتے سمجھاتے وہ خفا ہو گیا تھا۔

''اور پتہ ہے میں تمہیں اگلے پانچ سال بعد کہاں دیکھ رہا ہوں؟'' وہ آگے ہو کر سنجیدگی سے وارث کی آنکھوں میں جھانک کر بولا تھا۔ ''اسی نقلی عینک کے پیچھے!'' اور ایک دم وہ دونوں ہنس پڑے تھے....

آہنی سلاخوں کو دیکھتے ہوئے وہ زخمی سا مسکرایا تھا۔ اسے جیل میں سب سے زیادہ وارث یاد آتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہو نہ سکا کبھی ہمیں اپنا خیال تک نصیب

نقش کسی خیال کا لوحِ خیال پر رہا

اس مصروف شاہراہ پہ رات نو بجے اچھی خاصی سردی ہونے کے باوجود ٹریفک کی گہما گہمی لگی تھی۔ ساتھ ہی قطار میں ڈیزائنر شاپس تھیں جن کے سامنے زمر' کندھے پہ لگا پرس مضبوطی سے پکڑے' متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی چلی آ رہی تھی۔ وہ تب رکی جب اسے وہ نظر آیا۔ کنارے پہ کار کھڑی کیے، ہڈ والا سویٹر پہنے اور جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا۔

''احمر۔ مجھے دیر ہو گئی نا؟'' معذرت خواہانہ انداز میں جلدی جلدی کہتی قریب آئی۔ ''کیا وہ لڑکا آ گیا؟'' احمر چونک کر مڑا پھر فخر سے سر کو خم دیا۔

''جی، اور کام بھی ہونے والا ہے۔'' مسکرا کر سامنے اشارہ کیا۔ زمر نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہاں پولیس کا ناکہ تھا اور ایک نوجوان اپنی کار سے نکلا کھڑا حیرت اور تعجب سے سیکورٹی افسران سے بات کر رہا تھا جو ایک دم سے اس کو گھیر کر اس سے باز پرس کر رہے تھے۔ وہ صرف پولیس اہلکار نہیں تھے۔ بلکہ کسی دوسرے محکمے کے افسران بھی تھے۔

''وہ چیزیں اس کی کار میں ڈلوا دی تھیں نا احمر؟ پولیس اس کو اریسٹ کر لے گی نا؟'' فکرمندی سے وہ بولی تھی۔

''جی۔ جب یہ گیس بھروانے پمپ پہ رکا تھا تو میرے لڑکے نے ایک بیگ اس کی ڈگی میں رکھ دیا تھا۔ بیگ میں اس لڑکے کے آئی ڈی کارڈ کی کاپی، اور اس کے ڈرائیونگ لائسنس کی کاپی بھی ہے، وہ انکار بھی کرے تب بھی وہ لوگ اس بیگ کو اسی کی ملکیت سمجھیں گے۔''

''اوکے۔ تھینک یو۔'' ہر چیز پلان کے مطابق جا رہی تھی، اسے ذرا سکون ملا۔ ''کافی ساری ڈرگز ڈالی ہیں نا؟''

''ڈرگز؟'' احمر نے نگاہوں کا رخ موڑا۔ ''کون سی ڈرگز؟''

زمر کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ ''احمر، اس کے بیگ میں ڈرگز ڈالنے کو کہا تھا میں نے آپ کو تا کہ پولیس اسے گرفتار کرے۔''

''میں آپ کو شکل سے کوئی ہیروئن اسمگلر لگتا ہوں، یا بذاتِ خود کوئی نشئی لگتا ہوں جو میرے پاس ڈرگز ہوں گی؟ نہیں آج آپ مجھے بتا ہی دیں کہ میں آپ کو کیا لگتا ہوں۔'' وہ بہت ہی خفا ہوا تھا۔ زمر کا دماغ ویسے ہی آج کل گھوما رہتا تھا، اب تو مزید کھول گیا۔

''احمر، آپ نے کیا ڈالا ہے اس کے بیگ میں؟'' پریشانی سے ان لوگوں کو بھی دیکھا۔ آفیسرز کے پاس کتے بھی تھے اور وہ گھوم گھوم کر اس کے سامان کو سونگھ رہے تھے۔ لڑکا ابھی تک بحث کر رہا تھا۔

''دیکھیں، یہ ڈرگز، یہ اسلحہ، یہ کرنسی اسمگلنگ..... یہ میوزیم کے نوادرات سارے انگریزی فلموں والے گھسے پٹے آئیڈیاز تھے۔ میں نابڑا اور یجنل بندہ ہوں۔ میں نے سوچا کوئی پاکستانی چیز ٹرائی کروں۔ وہ دیکھیں۔'' فخر سے مسکرا کر اس طرف اشارہ کیا۔ زمر پریشانی سے ادھر دیکھنے لگی۔ وہ لوگ اب ڈگی کھولے کھڑے تھے۔ دفعتاً ایک آفیسر نے بھورا بیگ کھولا اور پھر گویا شور مچا دیا۔ باقی اہلکار بھی ادھر ہی لپکے۔ لڑکا حیران پریشان وضاحتیں دے رہا تھا۔ زمر نے ایڑیاں اونچی کر کے دیکھنا چاہا۔ بمشکل ایک آفسر سامنے سے ہٹا تو کھلے بیگ کا دہانہ نظر آیا۔ اور اس کے اندر۔

''کچھوے!'' وہ بے یقینی سے احمر کی طرف گھومی تھی۔ ''استغفراللہ، احمر، آپ نے کچھوے ڈال دیے؟'' دل چاہا، اس کو زمین میں گاڑ دے۔

''پورے پچاس کچھوے۔'' اس نے اسی تفاخر سے اس طرف اشارہ کیا۔ دور سے اتنا پتہ چلتا تھا کہ اس بیگ میں چھوٹے چھوٹے، شامی کباب کے سائز کے کچھوے چل رہے تھے۔ زمر نے ماتھے کو چھوا۔

''اف احمر..... آپ کو مذاق لگتا ہے یہ سب؟''

''دیکھیں مسز زمر!'' وہ سنجیدہ ہوا۔ ''اگر ڈرگز ڈالتا، یا اسلحہ، تو وہ گرفتار ہو جاتا، لیکن صبح سے پہلے تک باہر ہوتا۔ سوائے وائلڈ لائف والوں کے کوئی بھی محکمہ اس کو کل دوپہر تک نہ رکھتا۔''

''کچھوے' احمر!'' وہ اب بھی شدید نالاں تھی۔

''یہ وائلڈ لائف والوں کے خاص spotted کچھوے ہیں، صبح ہی چوری ہوئے ہیں۔'' مسکرا کر آنکھ دبائی۔ ''یہ لڑکا کل سنگاپور جا رہا ہے، سنگاپور میں ایک کچھوہ کئی ہزار کا بکتا ہے۔ وہ لوگ کچھوے کھانے کے شوقین ہیں مگر وہاں پابندی ہے اس کے شکار پہ کیونکہ اس معصوم کی نسل ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ سو ہمارے ہاں سے لوگ اسمگل کرتے ہیں۔ بی پاکستانی۔ بائی پاکستانی۔''

زمر نے صرف گھور کر اسے دیکھا اور سامنے دیکھنے لگی جہاں وائلڈ لائف کے اہلکار اس لڑکے کو ہتھکڑی لگا رہے تھے۔ اور وہ مسلسل چلا رہا تھا۔ زمر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔ آئیڈیا کچھ اتنا برا بھی نہ تھا۔ لیکن احمر شفیع کو شکریہ کہنا... ناممکن!

وہ گھر آئی تو حنین اس کے کمرے میں چت لیٹی' چھت کو دیکھتی مایوس نظر آ رہی تھی۔ بیگ اور موبائل رکھتے ہوئے اس نے حنہ کو مخاطب کیا۔ ''شہرزا کا کیا بنا؟''

''میں نہیں کر سکی۔'' وہ شرمندہ تھی۔

''اوکے! میں خود اس سے بات کر لوں گی۔'' حنین سیدھی اٹھ بیٹھی' بے چینی سے اسے دیکھا۔ ''وہ تکلیف میں ہے' اس کو اکیلا چھوڑ دیں۔''

''حنین' اس کی صحت اب بہت بہتر ہے۔ اور ہم اس کی مدد بھی کریں گے اس کے مجرموں کو پکڑنے کے لیے۔'' وہ بال برش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی۔ حنہ کو نہیں نظر آئی۔ وہ کہیں اور تھی۔

''وہ اب بھی وہی آوازیں سنتی ہے۔ جنگل کی' جانوروں کی' خنزیروں کی' اور....'' حنین ایک دم ساکت ہوئی۔ چونک کر زمر کو دیکھا۔ پھر یکا یک بستر سے اتری اور ننگے پیر بھاگتی باہر نکل گئی۔ زمر سر جھٹک کر رہ گئی۔ حنہ اب تیز تیز زینے پھلانگتی تہہ خانے کی طرف جا رہی تھی۔ اسے ابھی ابھی کچھ یاد آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بے وفائی کی گھڑی' ترکِ مدارات کا وقت
اس گھڑی اپنے سوا نہ یاد آئے گا کوئی

عالیشان' بلند و بالا سا بنگلہ تھا جس میں صبح کی ٹھنڈ اور سرما کی دھوپ مل جل کر آ ٹھہری تھیں۔ ملازم حنین کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلے گئے تھے۔ وہ شہرزا کی دوست تھی' اس نے یہی کہا تھا۔ اس روز کے برعکس' وہ کھلے بالوں پہ ہیئر بینڈ لگائے' ہاتھ میں فائل فولڈر پکڑے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی کافی پر اعتماد نظر آ رہی تھی۔ کھڑکی سے باہر لان میں منتظر بیٹھا اسامہ نظر آ رہا تھا۔

چوکھٹ پہ شہرزا کھڑی دکھائی دی تو حنین جگہ سے اٹھی۔

''میں نے کہا تھا' مجھے تمہاری مدد نہیں کرنی۔'' وہ بے نیازی سے پلٹنے لگی تھی۔

''تم نے کہا تھا' تمہیں بھاری بوٹس کی دھمک سنائی دی تھی' تم نے کہا تھا' کوئی بھائی اس قابل نہیں ہوتا کہ اسکے لئے کچھ کیا جائے۔'' شہرزا

چونک کر اس کی طرف گھومی۔ حنہ فولڈر سے کاغذ نکال کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ''تمہارا تو کوئی بھائی نہیں ہے شہزا۔ مگر تم عادتاً اپنے بہنوئی سرمد شاہ کو بھائی کہہ کر پکارتی ہو نا۔'' کاغذ اس کے چہرے کے آگے لہرایا۔ شہزا کے اِن باکس میں سرمد کی میلز کے پرنٹ آؤٹ۔ شہزا کی رنگت سفید پڑی۔ ''اس نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہاری بہن کو چھوڑ دے گا، تمہیں اپنا لے گا، اور جس دن تم اغوا ہوئی، اس روز اسی نے آنا تھا تمہیں پک کرنے۔ اسی نے کیا ہے یہ سب! مگر کتنا اداکار ہے وہ۔ جب میری فیملی نے نیاز بیگ کو اس کیس میں پھنسانا چاہا تو اس نے ایسی اچھی اداکاری کی، کہ ہم سب بھی کنوینس ہو گئے کہ وہ اپنی ''بہن'' کا مجرم نیاز بیگ کو ہی سمجھ رہا ہے۔''

شہزا اسٹک کے سہارے چلتی چپ چاپ سامنے آ کر بیٹھی۔ بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں کسی کو نہیں بتا سکتی کیونکہ سب کو میں قصوروار لگوں گی۔ کوئی نہیں مانے گا کہ میرا اس سے تعلق صرف پسندیدگی کا تھا۔'' وہ ایک دم شکست خوردہ لگنے لگی تھی۔ کچھ دیر لگی اسے کھلنے میں۔

''میں یہ تعلق ختم کرنا چاہتی تھی، میں چھپ چھپ کر فون پہ بات کرنے والے گلٹ سے تنگ آ گئی تھی، اسی لیے اس نے بلایا تو میں ملنے چلی گئی۔ مجھے نہیں پتہ تھا وہ یہ سب۔۔'' آواز رندھ گئی۔ ''تم نہیں سمجھ سکتی میں کیسا محسوس کر رہی ہوں!''

حنین اس کے سامنے دھیرے سے بیٹھی۔ ''میں سمجھ سکتی ہوں شہزا۔ تم نے ایک غلط آدمی سے محبت کی، جو تمہارا رشتے دار تھا، تم سے عمر میں بڑا تھا، تم اسے بھائی کہتی تھیں۔ اور اس نے۔۔۔اس نے تمہاری حوصلہ افزائی کی۔'' اس کے اندر بہت کچھ اٹکا۔ ''اس کے لیے تو یہ محض وقت گزاری تھی۔ تمہارے لیے یہ روگ تھا۔ تم بیک وقت اس سے بات کر کے خوش بھی ہوتی تھیں اور گلٹی بھی۔ تم دو دلوں کے ساتھ جی رہی تھی۔ پھر ایک دن اس نے تمہیں بلایا۔ تم چلی گئیں۔'' بہت کچھ یاد آیا تھا۔ ''تمہیں نہیں پتہ تھا کہ وہ ایک کرمنل بھی ہے، تم جاتی یا نہ جاتی، تمہیں کبھی نہ کبھی پتہ چل ہی جاتا۔ اور تب بھی تم دو حصوں میں بٹ جاتیں جیسے اب بٹی ہوئی ہو۔ تمہارا ایک دل اس سے شدید محبت کرتا ہے، دوسرا دل اس سے نفرت کرتا ہے۔ ایک طرف تم اس سے انتقام لینا چاہتی ہو۔ مگر انتقام خوشی نہیں دیتا۔ دوسری طرف تم اب بھی، اس سب کے بعد بھی، دور اندر اس کو پانا چاہتی ہو، مگر اب خوشی پانے سے بھی نہیں ملے گی۔''

''پھر میں کیا کروں؟''

''تم ساری آوازیں بھول جاؤ، اور اپنی آواز اٹھاؤ، تمہاری آواز کے پسِ منظر میں ہر شے غائب ہو جائے گی۔''

''نہیں کر سکتی! وہ سارا الزام مجھ پہ ڈال دے گا۔ بابا اور عائزہ مجھے کبھی معاف نہیں کریں گے۔'' بے بسی سے اس کی آواز بلند ہوئی۔

''کتنے لوگوں کو پتہ ہے کہ تم اس سے یوں میسجز پہ بات کرتی تھی؟''

''صرف مجھے اور سرمد کو!'' آواز کپکپائی۔ آنکھوں میں بیک وقت دونوں جذبے ابھرے۔

''تو پھر تم یہ والی بات چھپا لو۔'' شہزا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''تو میں کیا کہوں گی؟ کیوں ملنے گئی تھی سرمد سے؟ اور میری کسی جھوٹی وجہ پہ بابا کیسے یقین کریں گے؟''

''اس پہ کرلیں گے!'' مسکرا کر اس نے ایک پھولا ہوا پیکٹ شزا کی طرف بڑھایا تھا۔ ''تمہیں سرمد شاہ کی الماری سے یہ ملا تھا۔ تم اسی کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی، اور اس نے جو بھی کیا تمہیں خاموش کرانے کے لیے کیا۔'' شزا حیرت سے اسے دیکھتی پیکٹ کھولنے لگی۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ لان میں آئی تو سیم نے بے اختیار پوچھا تھا۔

''کیا تم نے کرلیا پھپھو کا کام؟''

''ہاں کرلیا!'' اس نے مزے سے سیم کی کہنی میں بازو ڈالا اور آگے چلنے لگی۔

''ویسے یہ سب تھا کیا؟'' وہ متجسس ہوا۔ حنہ نے اسے گھورا۔

''چپ کر کے چلو۔ زیادہ جہان سکندر بننے کی ضرورت نہیں ہے۔'' سیم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا مگر چپ رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خزاں کے پھول کی مانند بکھر گیا کوئی

تجھے خبر نہ ہوئی اور مر گیا کوئی

کورٹ کی راہداریوں میں ہنوز ویسا ہی رش تھا۔ بھانت بھانت کی بولیاں اور آتے جاتے قدموں کی دھمک۔ ایسے میں ایک راہداری کے باہر وہی لڑکا جو گزشتہ رات چھوٹے اسمگل کرتے پکڑا گیا تھا' وہ ہتھکڑیوں میں کھڑا تھا' ساتھ پولیس اہلکار موجود تھے۔ چند وکلا اور ایک سوٹ میں ملبوس صاحب جو چہرے مہرے سے اس لڑکے کے والد لگتے تھے' آپس میں بحث کر رہے تھے۔

''میں کراچی میں نہ ہوتا تو دیکھتا میرا بیٹا کس طرح حوالات میں رات گزارتا ہے۔'' والد برہمی سے کہہ رہا تھا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ ''کتنی دیر مزید لگے گی؟'' وکیل جواب میں جلدی جلدی کچھ بتانے لگا۔ تبھی دور راہداری سے زمر چلتی آتی دکھائی دی۔ بال جوڑے میں' چہرے پہ مسکراہٹ' اور چال میں اعتماد۔ ان صاحب کے پاس وہ رکی۔

''کیا میں آپ سے علیحدگی میں بات کرسکتی ہوں؟'' شائستگی سے ان کو مخاطب کیا۔ لڑکے کا والد چونک کر مڑا' اسے دیکھا' پھر ساتھ چلا آیا۔

''کسٹم کے یہ آفیسر آپ سے ملنا چاہتے ہیں' مگر علیحدگی میں' انہوں نے یقین دلایا ہے کہ آپ کے بیٹے کا ریکارڈ بھی کلیئر رہے گا۔ ان کو معلوم ہے کہ وہ سی ایس ایس کی تیاری کر رہا ہے۔'' مسکرا کر ایک کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔ پھر اس کی پیشانی کو دیکھا جہاں ہلکا ہلکا پسینہ تھا۔ مگر خود بھی اس پسینے سے بے خبر' اس آدمی نے کارڈ لیا' اور پھر اثبات میں سر ہلایا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس کے ساتھ چلتی اس کو مختلف راہداریوں سے گزارتی چلتی جارہی تھی۔ ساتھ ہی بار بار گھڑی بھی دیکھتی۔ کنکھیوں سے اس نے دیکھا کہ وہ شخص ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا۔ جیسے اسے گھٹن ہو رہی ہو۔

زمر ایک دروازے کے سامنے رکی۔ وہاں دو پولیس اہلکار کھڑے تھے۔ ایک نے دروازہ کھول دیا۔

''آپ اندر چلے جائیں' الیاس فاطمی صاحب!'' وہ مسکرا کر بولی تو اس نے اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وہ خالی کورٹ روم تھا۔ الیاس

فاطمی دوقدم اندر گیا ہی تھا کہ زمر نے دروازہ بند کیا اور بولٹ چڑھا کر لاک کلک سے بند کیا' پھر چابی نکال کر پولیس اہلکار کی مٹھی میں دبائی۔

''اگر وہ مقررہ وقت سے پہلے باہر نکلا تو تمہارے آدھے پیسے کاٹ لوں گی۔'' گھور کر تنبیہہ کی۔ سپاہی نے سینے پہ ہاتھ رکھا۔

''آپ فکر ہی نہ کریں میڈم صاحب۔'' زمر سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ (آئی ایم سوری اللہ تعالیٰ' ان تمام قوانین کے لئے جو آج میں نے توڑے! اور فارس اور احمر جیسے کرمنلز کے ساتھ کام کرنے کے لیے!) جھرجھری لے کر وہ بڑبڑاتی جا رہی تھی۔ کوئی عادت سی تھی جو واپس آ رہی تھی۔

خالی کورٹ روم میں آگے چلتے یکدم الیاس فاطمی مڑا۔ اسے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ چونک کر وہ دروازے تک آیا اور اسے کھولنے کو ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ....

''اپنی توانائی بچا کر رکھو۔ دروازہ لاکڈ ہے' اسے توڑنے میں پندرہ منٹ لگیں گے' جبکہ تمہارے پاس صرف بارہ منٹ ہیں۔''

آواز پہ وہ ایک دم گھوما۔

جج کے خالی چیمبر کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل رہا تھا۔ کورٹ روم کی کوئی بتی نہیں جلی تھی۔ دن کی روشنی کافی تھی' پھر بھی جج کا چبوترہ اندھیرے میں لگ رہا تھا۔ الیاس فاطمی نے آنکھیں سکیڑ کر تعجب سے دیکھنا چاہا۔

نیلی جینز کے اوپر اس نے بھورا سوئیٹر پہن رکھا تھا۔ پوری آستین والا سوئیٹر۔ چھوٹے کٹے بال اور بڑھی شیو۔ سنہری آنکھوں میں چبھن لئے وہ جج کی کرسی کے پیچھے آ کھڑا ہوا' اور کرسی کی پشت پہ اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔ ہتھکڑی میں بندھے ہاتھ۔

''ڈرو نہیں۔ میں ہتھکڑی میں ہوں۔ قید میں ہوں۔ پہچانا تم نے مجھے؟ میں فارس غازی ہوں۔ وارث غازی کا بھائی!'' الیاس فاطمی کی گردن کے بال تک کھڑے ہو گئے۔ لب کھل گئے۔ آنکھوں میں شاک ابھرا۔ پھر ایک دم وہ گھوما۔

''کچہری میں جہنم کی طرح کا شور ہے' دروازہ پیٹنے کی آواز سن بھی لی جائے تو فائدہ نہیں۔ تمہارے پاس صرف گیارہ منٹ ہیں' کیونکہ تمہاری طبیعت خراب ہونا شروع ہو چکی ہے۔'' فاطمی نے دروازے پہ ایک دفعہ ہی ہاتھ مارا تھا کہ اس کا آخری فقرہ سن کر چونکا' پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ اسی سکون سے کرسی کے اوپر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

''تمہارے سر میں سر درد ہو رہا ہے نا؟ ہر گزرتے پل کے ساتھ یہ تیز ہو جائے گا۔ کیونکہ جو چائے تم نے پراسیکیوٹر کے آفس میں پی تھی' وہ چائے نہیں تھی۔''

فاطمی نے بے اختیار اپنی پیشانی کو چھوا۔ وہ ٹھنڈی پڑ رہی تھی۔ اس نے دوسرا ہاتھ گلے پہ رکھا۔ وہ گھٹ رہا تھا۔ آنکھیں وحشت سے پھیلیں۔

''کیا... کیا مطلب؟'' وہ مڑ کر پھر سے دروازہ بجانے لگا مگر ہاتھوں سے جان نکل رہی تھی۔

''وکیل سے شادی کرنے کا ایک فائدہ ہوتا ہے۔ آپ کورٹ کا ہر ملازم خرید سکتے ہیں۔ اس ملازم نے زیادہ کچھ نہیں ملایا۔ صرف ایک چھوٹی

شیشی تھی۔زہر کی۔'' ہلکا سا مسکرایا۔''میرا ایک دوست ہے لاہور کے مضافات میں اس کا اپنا فارم ہاؤس ہے اور لیب بھی۔ وہاں ایسے وائرس اور زہریلے محلول کلچر کیے جاتے ہیں۔ ابھی تو تمہارا دم گھٹ رہا ہے' لیکن اگلے آٹھ منٹ میں سانس بھی رکنے لگے گا' پھر ناک اور کانوں سے خون آئے گا' پھر دل کی دھڑکن بے قابو ہوگی...'' وہ کہتے ہوئے چلتا ہوا کرسی کے پیچھے سے نکلا۔''پھر سینے میں شدید درد اٹھے گا..'' وہ چبوترے کے دہانے پہ آکھڑا ہوا اور نیچے وہیں بیٹھ گیا۔''اور گیارہویں منٹ تمہارے دماغ کی شریان پھٹ جائے گی اگر....'' بند مٹھی کھول کر دکھائی۔ اس میں شفاف شیشی تھی جس میں شفاف محلول تھا۔''اگر تم نے اس پوائزن کا antidote نہ لیا۔'' الیاس فاطمی نے قدم بڑھائے' مگر لڑکھڑا کر زمین پہ گرا اور بے اختیار دیوار کا سہارا لیا۔ پھر سفید چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔''تم جھوٹ بول رہے ہو!'' اس کا سانس رکنے لگا تھا۔

''ٹھیک ہے، پھر گیارہ منٹ بعد پتہ چل جائے گا۔''

الیاس فاطمی بے اختیار پلٹا اور خود کو زمین پہ گھسیٹتے دروازے کو نیم جاں ہاتھوں سے بجایا۔ باہر دونوں پولیس اہلکار کھڑے اونچی آواز میں فون پہ بات کر رہے تھے۔

''اگر تم نے دوبارہ دروازہ پیٹا تو میں اس شیشی کو توڑ دوں گا۔ قریبی ہسپتال جانے میں رش آور کے باعث تمہیں پون گھنٹہ لگے گا۔''

گہرے گہرے سانس لیتے فاطمی نے ہاتھ کی پشت سے ناک رگڑا تو... اس پہ خون لگا تھا۔ اس نے خوف اور وحشت سے سامنے چبوترے پہ بیٹھے فارس کو دیکھا۔''تم... کیا چاہتے ہو تم؟ میں نے تمہارے بھائی کو نہیں مارا۔''

''مجھے معلوم ہے' تم نے صرف اسے بیچا تھا۔'' وہ شیشی کو ہاتھ میں گھماتے' نگاہیں اس پہ جمائے بولا تھا۔''مجھے دو سوالوں کے جواب دو' تو میں یہ antidote (تریاق) تمہیں دے دوں گا۔ اگر تمہارے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ میرے سوال کے جواب کے علاوہ ہوئے' تو میں اسے توڑ دوں گا۔''

''بولو... بتاؤ.... کیا پوچھنا ہے۔'' وہ نیم جاں زمین پہ دوہرا ہوا بمشکل بول پایا۔

''وارث نے تمہیں کچھ فائلز دی تھیں' یقیناً وہ ثبوت تم نے کسی تک پہنچا دیے تھے' اور انہوں نے وارث کو مار دیا۔'' نگاہ اٹھا کر چھت سے لٹکتے پنکھے کو دیکھا۔''ان فائلز میں کیا تھا؟''

''وہ... منی لانڈرنگ کر رہے تھے.... وہ ان کی کرپشن کا پتہ لگاتے لگاتے غلط سمت آنکلا تھا۔'' بے ربط پھولی سانسوں کے درمیان وہ بول رہا تھا۔''وہ دہشت گردوں کے لئے منی لانڈرنگ کر رہے تھے۔ پشاور میں میٹنگز کا ریکارڈ تھا' کوئی گواہ بھی تھے۔ وہ میرے پاس نہیں ہیں۔ وارث کے لیپ ٹاپ میں تھیں۔''

''آئی سی!'' اس نے گہری سانس لی۔''تو وہ دہشت گرد ہیں۔ گڈ!'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔''دوسرا سوال' ان لوگوں کا ماسٹر مائنڈ کون ہے؟ ہر تنظیم کا ایک برین ہوتا ہے' جو احکامات دیتا ہے۔ ان کا برین کون ہے؟ میرے بھائی کے قتل کا حکم کس نے دیا تھا؟''

فاطمی کے کانوں سے خون رسنے لگا تھا۔ آنکھوں سے پانی ٹپک رہا تھا، اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ مجھے جان سے مار دے گا۔'' فارس نے شیشی کو اونچا اٹھایا، گویا گرانے لگا ہو۔ فاطمی دہل کر رہ گیا۔ ''ہاشم.... ہاشم کاردار۔ تمہارے بھائی کے قتل کا حکم ہاشم نے دیا تھا....۔''

کمرے میں ایک دم موت کا سناٹا چھا گیا۔

اپنے تئیں دھماکہ کر کے فاطمی نے اسی خوف اور وحشت سے فارس کا چہرہ دیکھا۔ وہ سپاٹ تھا۔ سخت اور سرد۔ ''ہاشم کاردار؟'' وہ دہراتے ہوئے اٹھا اور قدم بقدم چلتا فاطمی کے قریب آ کھڑا ہوا۔ گردن جھکا کر اسے دیکھا۔

''میں نے پوچھا تھا' ان کا برین کون ہے؟ ہاشم کاردار یا اس کی ماں؟''

فاطمی کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ ''تم جانتے ہو؟'' فضا ایک دم ساکت ہو گئی تھی۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''میں ساڑھے چار سال سے جانتا ہوں۔ یہ بھی کہ میرے بھائی اور بیوی کو کس نے قتل کروایا' یہ بھی کہ میرا بھانجا بھی انہی کے پاس ہے۔''

فاطمی نے تعجب اور بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''مگر ہاشم نے کہا تھا' تم نہیں جانتے کہ اس سب کے پیچھے کون ہے۔''

''میں واقعی نہیں جانتا کہ ان سب کے پیچھے کون ہے۔ ہاشم اپنی ماں کے پیچھے ہے' یا جواہرات اپنے بیٹے کے پیچھے ہے۔ یہ جاننا میرے لیے ضروری ہے، تاکہ مجھے معلوم ہو سکے کہ مجھے کس کی جان اپنے ہاتھوں سے لینی ہے۔''

''مگر ہاشم نے کہا تھا.... تم اداکار نہیں ہو۔'' وہ اب بھی بے یقین' خوفزدہ تھا۔

''جس غازی کو وہ جانتا تھا' وہ اداکار نہیں تھا۔'' اس نے اذیت سے آنکھیں موندیں۔ ''جیل نے میرے ساتھ کیا کیا' میں نے جیل میں کیا کیا ہے....'' آنکھیں کھولیں۔ ان میں سرد آگ تھی۔ ''ہاشم نہیں جانتا۔ کوئی نہیں جانتا۔ اور اب تم لوگ مجھے دوبارہ وہیں بھیجنا چاہتے ہو!''

''مگر.... ہاشم نے کہا تم سمجھتے ہو تمہاری بیوی نے تمہیں اس میں پھنسایا ہے۔''

''پانچ منٹ کے لیے میں نے یہی سمجھا تھا۔''

''تمہیں.... تمہیں معلوم ہے تمہارا بھانجا....'' اسے شدید کھانسی آنے لگی تھی۔ وہ بول نہیں پا رہا تھا مگر حیرت اور بے یقینی اسے اپنی حالت بھی بھلائے دے رہی تھی۔

''مجھے اس کے اغوا سے اگلے دن معلوم ہو گیا تھا کہ یہ سب ہاشم نے کروایا ہے۔ مگر میں....'' پنجے کے بل اس کے قریب زمین پہ بیٹھا۔ ''میں وہ ساڑھے چار سال پہلے والا آدمی نہیں ہوں جس نے جیل جاتے ہی ہاشم کاردار کا نام لیا تھا۔ جیل نے مجھے بدل دیا ہے الیاس فاطمی! مجھے اداکاری آ گئی ہے۔ مجھے لوگوں کے سامنے کیسا نظر آنا ہے، یہ میں خود طے کرتا ہوں اب۔'' ذرا سا اس پہ جھکا۔

''تم لوگ.... ہمیشہ ایک بات بھول جاتے ہو.... کہ فارس غازی.... بھی ایک کاردار کی ہی اولاد ہے!'' پھر شیشی والی مٹھی بلند کی۔ الیاس فاطمی دہرے ہوئے' بے اختیار ہاتھ اٹھانے لگا مگر اتنی سکت ہی نہیں رہی تھی۔

''تم میرا راز جان چکے ہو۔ تمہیں زندہ نہیں رہنا چاہیے۔''

''نہیں....پلیز...دیکھو میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ دیکھو وقت ختم ہو رہا ہے...یہ مجھے دے دو خدا کے لئے....'' وہ شاید رو بھی رہا تھا۔

''اگر تم نے....''شیشی اوپر اٹھائے اس کی آنکھوں میں دیکھتے چبا چبا کر وہ بولا۔ ''کسی کو ایک لفظ بھی بتایا تو یاد رکھنا۔ میں تمہیں نہیں ماروں گا۔ مگر تمہاری بیٹی....جو شادی کے آٹھویں سال بالآخر اپنی اولاد کی منتظر ہے....صرف ڈھائی ماہ بعد...میں اس کا بچہ غائب کر دوں گا اور تم اور تمہارا سارا خاندان زندہ درگور ہو جاؤ گے۔ بری خبر یہ ہے کہ تمہاری بیٹی سفر نہیں کر سکتی' تم اس کو کہیں بھیج بھی نہیں سکتے....''

وہ جلدی جلدی نفی میں سر ہلانے لگا' اس کا گویا سانس بند ہو رہا تھا۔ ''میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ پلیز یہ مجھے دے دو۔''

فارس اٹھا' سیدھا کھڑا ہوا۔ گردن جھکا کر اسے دیکھا۔ ''میرا بھائی تمہارے پاس آیا تھا فائلز لے کر...اس نے تم پہ اعتماد کیا تھا' اور تم نے معلوم ہے اس کے ساتھ کیا کیا؟'' اس نے شیشی فضا میں بلند کی۔ ''تم نے اسے چھوڑ دیا۔'' اور اس نے شیشی چھوڑ دی۔ الیاس فاطمی کے منہ سے چیخ نکلی۔ شیشی اس کے قریب گر کر چکنا چور ہو گئی۔ محلول بہہ گیا۔ وہ پاگلوں کی طرح جھک کر انگلیوں سے محلول اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''یہ تم نے کیا کیا....تم نے مجھے مار دیا....''

فارس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ساتھ میں کچھ کہا بھی۔ اہلکار نے جلدی سے اسے کھولا' اور اندر آیا۔ اس کی ہتھکڑی کو اپنی زنجیر کے ساتھ نتھی کیا۔ پھر نیچے گرے' پاگلوں کی طرح اس محلول کو چاٹتے' روتے بلکتے فاطمی کو دیکھا۔ ''یہ مر تو نہیں جائے گا؟''

''اس جیسے لوگ آسانی سے نہیں مرتے۔ فکر نہ کرو' زہر نہیں دیا۔ ٹارچر ڈرگ تھی' آدھے گھنٹے میں ٹھیک ہو جائے گا۔'' بے نیازی سے کہہ کر وہ ان کے ساتھ باہر نکل گیا۔ ادھر الیاس فاطمی ابھی تک کراہتے' روتے اس محلول کو چاٹنے کی سعی کر رہا تھا جو صرف...سادہ پانی تھا۔

راہداری میں چلتے ہوئے زمر مخالف سمت سے آئی اور اس کو روکا۔

''کچھ معلوم ہوا؟'' دھڑکتے دل سے پوچھا۔ فارس نے نفی میں سر ہلایا۔

''اسے کچھ بھی نہیں معلوم۔ ابھی تک اس شخص کا پتہ نہیں چل سکا جو فاطمی کو اس جج سے جوڑ سکے۔'' وہ بے زار اور خفا لگ رہا تھا۔ زمر کے چہرے پہ مایوسی پھیلی۔ ''کیا واقعی؟'' وہ ''جی'' کہہ کر اہلکاروں کی معیت میں آگے بڑھ گیا۔ اس کا نام پکارے جانے کا وقت قریب تھا۔

آج اس کا چودہ روزہ جسمانی ریمانڈ ختم ہو رہا تھا۔ عدالت نے ضمانت کی درخواست مسترد کرتے ہوئے اسے جوڈیشل ریمانڈ پہ جیل بھیجنے کا حکم صادر کر دیا۔ اپنی گرفتاری کے چودہ دن بعد بالآخر وہ اسی جیل دوبارہ جا رہا تھا جو چار سال تک اس کا ''گھر'' بنی رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ چلتی باہر تک آئی تھی جہاں ''حوالات'' (جیل لے جانے کے لیے وین نما خوفناک سواری) تیار کھڑی تھی۔ لمحے بھر کے لیے اس نے فارس کو روکا تھا۔

''آج عدالت نے تمام کاغذات، تفتیش کی تفصیلات، چالان وغیرہ کی کاپی ہمارے حوالے کر دی ہے۔ اب ہمارے پاس ایک ہفتہ ہے اگلی سماعت تک۔ سو اب تم جس کو چاہو اپنا وکیل مقرر کرو!'' وہ کچھ کہنے لگا تھا مگر زمر نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکتے بات جاری رکھی۔

''لیکن اگر تم مجھے ہائر کرنا چاہتے ہو تو..فارس...تمہیں مجھ سے...ریکوئیسٹ کرنی ہوگی!''

اس کا ابرو بے اختیار اٹھا۔ برہمی سے کچھ کہنے لگا۔ پھر گردن گھما کر دیکھا۔ اس کے انتظار میں اہلکار کھڑے تھے۔ بہت ضبط سے زمر کی طرف گھوما۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

''میں.....ریکوئیسٹ کروں؟'' اپنی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ زمر نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔ ''بالکل۔ ورنہ کوئی اور وکیل ڈھونڈ لو۔''

''مسز زمر۔'' ایک نظر اس کے پٹی میں بندھے ہاتھ پہ ڈالی، دوسری ناک کی نتھ پہ۔ ''کیا آپ کمرہ عدالت میں میری نمائندگی کرنا پسند کریں گی؟''

''پہلے کہو، پلیز!'' (اور یہ الفاظ کہتے اسے کچھ اور نہیں صرف پھوپھو یاد آئے تھے۔)

فارس نے صبر کا گھونٹ بھرا۔ ''پلیز!''

''شیور!'' وہ مسکرا کر شانے اچکاتی پرس کنگھالنے لگی۔ ''اگر تم یہ سائن کردو۔'' ایک چیک اور پین نکال کر اس کے سامنے کیا۔ فارس کے اب کی بار دونوں ابرو اٹھے۔ ''یہ تو میری چیک بک کا چیک ہے!''

''اور اس پہ جو رقم لکھی ہے وہ میری ابتدائی فیس ہے! سائن کردو، یا کوئی اور وکیل ڈھونڈ لو!''

''یہ صرف ابتدائی فیس ہے؟''

''ہاں فارس۔ تم نے کیا بے مول سمجھ رکھا تھا مجھے؟'' مسکراتے ہوئے بھی اس کی آواز میں شکوہ در آیا تھا۔ فارس نے بس ایک تیز نظر اس پہ ڈالی، ہتھکڑی لگے ہاتھوں سے قلم تھاما اور سائن کر دیا۔ پھر اسے انہی نظروں سے گھورتا جانے کے لیے پلٹ گیا۔

وہ اس ٹھنڈی سی سہ پہر میں ان اہلکاروں کو اسے حوالات میں ڈال کر لے جاتے دیکھتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انمول پتھروں کی قیمت لگائی ہے سب نے

دیوار جو نہ بنتے، بازار بن کر جیتے

سمندر کنارے وہ اونچی ہوٹل کی عمارت رات کے اس پہر روشن تھی۔ نیچے تاریک تہہ خانے میں میری اینجیو فون لیے سعدی کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ جو اضطرابی انداز میں مسلسل ٹہل رہا تھا' تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ آنکھوں میں شدید بے چینی تھی۔ ''کال کرو ہاشم کو!''

''تم ٹھیک نہیں کر رہے سعدی، تم پچھتاؤ گے!'' وہ شدید متفکر تھی۔ ''تمہیں فارس کے مشورے پہ بھروسہ ہے؟''

''دیکھو' وہ غصے کے تیز ہیں' جلد باز ہیں' ہاتھوں سے سوچتے ہیں' میں سب جانتا ہوں' مگر میرا دل کہتا ہے وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں! اور میں دل کی سننا چاہتا ہوں۔'' میری نے سر جھٹکا' اور فون ملا کر' ہاشم سے بات کروانے کا کہہ کر ریسیور اسے دیا۔

''بولو سعدی!'' ہاشم کا لہجہ خشک تھا۔

''میں اپنے وکیل کا نام بتانے کو تیار ہوں۔ مگر...''

''مگر تمہیں بدلے میں کچھ چاہیے۔ بتاؤ۔'' وہ آفس میں بیٹھا فون کان اور کندھے کے درمیان رکھے کاغذات کھنگال رہا تھا۔

''میں صرف آپ کو بتاؤں گا۔ آپ اور آپ کی والدہ دونوں میرے پاس آئیں گے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ سچ سچ بتا دوں گا۔ میں آپ کے لئے کام بھی کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن بدلے میں میں پیسے لوں گا' بہت پیسے۔ وہ پیسے میرے خاندان کو دیے جائیں گے۔ اور میرا پیکج آپ اور مسز کاردار میرے ساتھ بیٹھ کر مجھ سے ڈسکس کر کے طے کریں گے۔''

''اس تبدیلی کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟''

''میں تھک چکا ہوں ہاشم بھائی۔ میں تنگ آ گیا ہوں۔'' وہ روانی میں کہہ گیا تھا' پھر رک کر مسکرایا۔ اور بظاہر تصحیح کی۔ ''ہاشم!'' میری کو دیکھتے آنکھ دبائی۔ اگر وہ ندرت ہوتی تو جوتا اٹھا لیتی۔

''اگلے ہفتے ہم نے آنا ہے ادھر' ٹھیک ہے تمہارے پاس بھی آ جائیں گے' لیکن تم اپنا وعدہ پورا کرو گے۔'' اس کی آواز میں ہلکی سی نرمی تھی۔

''اور پلیز... اس ہپنوتھراپسٹ سے کہیں' یہاں سے چلی جائے' میں نے نہیں کروانا اس سے علاج۔ کیوں میرے پیچھے پڑی ہے؟''

وہ کاغذ فائل سے نکالتا رکا۔ ایک دم چونک کر چہرہ اٹھایا۔ فون کندھے سے نکال کر ہاتھ میں لیا۔ ''کون تھراپسٹ؟''

''وہی سرخ اسکارف والی' آپ کے بزنس پارٹنر کی بیٹی۔ جس کو کرنل خاور میرے پاس لایا ہے۔'' لفظے بھر کو رکا۔ ''کیا آپ کو نہیں پتہ؟''

دوسری طرف فون منقطع ہو چکا تھا۔ ہاشم موبائل رکھتے ہی آندھی طوفان کی طرح کمرے سے نکلا تھا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے' سرخ چہرے کے ساتھ وہ تیز تیز قدم بڑھاتا ہال عبور کر کے سامنے آیا۔ ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔

خاور فون پہ بات کر رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر اٹھا۔ ہاشم آگے بڑھا' فون کا کریڈل کھینچ کر زمین پہ دے مارا۔ خاور ایک دم ششدر رہ گیا۔ اس نے گریبان سے پکڑ کر خاور کو جھنکا دیا۔

''کس کی اجازت سے تم آبی کو وہاں لے کر گئے؟ تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟'' سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا وہ دھاڑا تھا۔

''سر... میں نے ہپنوتھراپسٹ کی بات کی تھی آپ سے... میں نے ہارون صاحب سے...'' وہ ہکلاتے ہوئے وضاحت دینے لگا۔

''بکواس بند کرو۔ تم میرے لئے کام کرتے ہو' ہارون عبید کے لئے نہیں۔'' غصے سے اس کا کالر جھٹک کر اسے پرے دھکیلا۔ ''تم مجھ سے پوچھے بغیر اتنا بڑا اقدم کیسے اٹھا سکتے ہو؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔''

''سر' میں تو....''

''بکواس بند کرو۔'' اس نے زور سے بوٹ کی ٹھوکر ماری اور نازک سی ٹی ٹرالی الٹ کر پیچھے جا گری۔ ''ابھی.... ابھی اس کو واپس لاؤ گے تم وہاں سے۔ خاور اگر وہ دوبارہ اس سے ملی تو میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔ سنا تم نے!''

خاور کا اہانت اور شاک سے بھرا چہرہ چھوڑ کر وہ اسی طرح باہر نکل گیا۔ اسے کہیں پہنچنا تھا جلدی' ورنہ شاید وہ واقعی خاور کو شوٹ کر دیتا۔ خاور

ابھی تک دنگ تھا۔ پسِ منظر میں ایک آواز ابھری تھی۔ ''تم کبھی کار دار نہیں بن سکتے۔ وہ تمہیں کبھی اپنے ساتھ نہیں بٹھاتے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رہا مبتلا میں عمر بھر آگے کی دوڑ میں

جو آج مڑ کر دیکھا تو تنہا کھڑا تھا میں

سرمد شاہ ان دنوں ایک ورکشاپ کے سلسلے میں ملک سے باہر تھا۔ فارس غازی جوڈیشل ریمانڈ پہ جس دن جیل بھیجا گیا' اس روز سرمد شاہ واپس آیا تھا۔ ائیر پورٹ سے گھر کے راستے میں اس نے ڈرائیور سے پوچھا تھا۔

''عائزہ بی بی کہاں ہیں؟ دو دن سے فون نہیں اٹھا رہیں۔ لینڈ لائن بھی نہیں مل رہا۔'' ڈرائیور لاتعلقی کا اظہار کر کے خاموش رہا تھا' البتہ بار بار بیک ویو مرر میں صاحب کو دیکھتا ضرور تھا۔

کار گیٹ کے اندر داخل ہوئی اور وہ دروازہ کھولتا باہر نکلا تو دیکھا' لان میں عائزہ اور شہزا کے والد کھڑے تھے۔ وہ دراز قد' سیاہ سرمئی قلموں والے' بھرے بھرے جسم کے تنومند انسان تھے' سفید شلوار سوٹ میں ملبوس' اور چہرے کا رنگ سرخ' گلابی سا۔ ساتھ موجود چار افراد بھی اسے دیکھ کر کھڑے ہوئے تھے۔ سرمد شاہ کو انہونی کا احساس ہوا تھا۔

''السلام و علیکم انکل۔'' وہ بظاہر مسکرا کر کہتا' گلاسز گریبان میں اٹکاتا ان کی طرف آ رہا تھا۔ آئی جی صاحب آگے بڑھے اور ایک دم اسے گریبان سے پکڑ لیا۔

''ساری دنیا کہتی تھی' جیسا باپ ہے ویسا بیٹا نکلے گا' پھر بھی میں نے تمہارا اعتبار کیا۔'' انہوں نے بھاری بھر کم ہاتھ اس کے منہ پہ جڑا تھا۔ غصے سے وہ بہت سے مغلظات بھی کہہ رہے تھے۔ سرمد شاہ پیچھے کو لڑکھڑایا۔ ''تم نے میری دونوں بیٹیاں برباد کر دیں۔''

''انکل' کیا ہو گیا ہے؟'' اس کا چہرہ سرخ ہوا' وہ ان کا ہاتھ روکنے کی کوشش کرنے لگا' دو نوجوان آگے بڑھے اور آئی جی صاحب کو تھام کر بمشکل ہٹایا۔ ایک نے سرعت سے سرمد شاہ کے ہاتھ پیچھے باندھے اور اس سے پہلے کہ وہ مزاحمت کر پاتا' اس نے ہتھکڑی بند کر دی۔

''کیا کر رہ ہے ہو' چھوڑو مجھے... انکل... میری بات سنیں۔'' وہ بھی غصے سے چلایا تھا۔ ''وہ جھوٹ بول رہی ہے' وہ بکواس کر رہی ہے' میں...''

''وہ تمہاری دوسری شادی کے بارے میں جان گئی تھی اس لئے تم نے اسے اغوا کر لیا۔ تم نے میری بیٹی کو برباد کر دیا۔'' وہ غصے اور دکھ سے پھر اس کی طرف بڑھے تھے مگر دونوں جوانوں نے انہیں پھر سے تھام کر پیچھے کیے رکھا۔

''سر' آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' آپ اندر جائیں' یہ ہمارے حوالے ہے۔'' ایک آفیسر ان کو تسلی دے رہا تھا۔

''عائزہ کہاں ہے؟ عائزہ کو بلاؤ۔ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔'' وہ ان دو اہلکاروں کے نرغے میں پھنسا' سرخ چہرے کے ساتھ چلا چلا کر ملازموں کو کہہ رہا تھا۔ مگر کوئی نہیں سن رہا تھا۔

''نام مت لو میری بیٹی کا۔'' وہ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کرتے گرجے تھے۔ ''عائزہ' ارسم' اور شہزا کو ملک سے باہر بھیج دیا ہے میں نے' ساری زندگی تم

اپنے بیٹے کی شکل کو ترسو گے۔تم بھی تو جانو اولاد کو کھونے کا درد کیا ہوتا ہے سرمد۔''

''آپ میرے ساتھ ایسے نہیں کر سکتے۔ چھوڑو مجھے۔میرا بیٹا کہاں ہے؟''وہ چلایا تھا۔

''اسے دور لے جاؤ میری نظروں سے۔اس سے طلاق نامے پہ دستخط کرواؤ' اور پراپرٹی کے کاغذوں پہ بھی اس کو...اس کو اتنا مارو ولید کہ اس کی شکل بدل جائے۔'' وہ تیز تیز بولتے ہانپنے لگے تھے۔دو اہلکار اس کو زبردستی کھینچتے' گھسیٹتے کار کی طرف لے جا رہے تھے۔

''دیکھ لوں گا میں تم سب کو۔کوئی بھی عدالت میں مجھ پہ کچھ ثابت نہیں کر سکتا۔''وہ ہذیانی انداز میں چلایا تھا۔آفیسر نے اسے کار میں دھکا دیا' پھر جھک کر سختی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''کون سی عدالت؟ ہم تمہیں تمہارے جیسے کسی تھانے نہیں لے جا رہے۔ہم تمہیں بیورو کی زیرِ زمین جیل میں لے جا رہے ہیں۔کرمنل پروسیجر کورٹ ہم پہ اپلائی نہیں ہوتا' نہ ہم تمہیں کسی عدالت میں پیش کریں گے۔آج سے تم ایک مسنگ پرسن ہو۔''اور کھٹاک سے دروازہ اس کے منہ پہ بند کیا۔آئی جی صاحب ابھی تک غصے سے ہانپتے اس کو گالیاں نکال رہے تھے۔پھر وہ تھک کر کرسی پہ نڈھال سے بیٹھے۔ انہیں معلوم تھا وہ طاقتور لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا ہے،وہ ناجائز پیسا بناتا ہے،فیورز دیتا ہے،مگر انہوں نے اسے کچھ نہیں کہا۔

وہ غیر جانبدار رہنا چاہتے تھے۔اور انسان کو جہنم میں اس کی غیر جانبداری ضرور پہنچاتی ہے۔

انیکسی کے تہہ خانے میں دیوار پہ لگے کاغذوں کے سامنے حنین کھڑی تھی۔ہاتھ اونچا کر کے اس نے سرمد شاہ کی تصویر اتاری اور اس کے دو ٹکڑے کر کے قریب جلتے ہیٹر پہ رکھ دیے۔آگ کے شعلے تصویر کو اپنی لپیٹ میں لے کر سیاہ کرنے لگے۔

کبھی جو مدتوں بعد اس کا سامنا ہوگا
سوائے پاس آدابِ تکلف کے اور کیا ہوگا

حنہ نے اطمینان سے مڑ کر زمر کو دیکھا جو میز پہ فائلز اور کتابیں رکھے نوٹس بنا رہی تھی۔سر اٹھائے بغیر بولی۔

''اس کو انجوائے مت کرو۔''حنہ چونکی۔پھر خفیف سا سر جھٹکا۔''میں تو انجوائے نہیں کر رہی۔''

زمر کے موبائل کی ٹون بجی تو وہ فون اٹھا کر دیکھنے لگی۔اس کے ڈاکٹر پیغام تھا۔

''خوش قسمتی سے ایک ڈونر کا بندوبست ہو گیا ہے۔اس کا نمبر بھیج رہا ہوں،آپ اس سے بات کر لیں اور تمام معاملات طے کر لیں۔غریب آدمی ہے،پیسوں کی سخت ضرورت ہے اسے!'' ساتھ ہی ایک نمبر موصول ہوا۔زمر نے گہری سانس لی اور ''ڈونر'' کے نام سے اسے محفوظ کر دیا۔دل سے ایک بوجھ سا ہٹا تھا۔

''وہ فائلز کہاں تک پہنچیں حنین؟''

''بتایا تھا نا،اپنی ایک فلیش خاور کے پاس لے کر گئی تھی،اس پہ تجربہ کر کے اس سے انکرپٹ کرنے کا طریقہ سیکھا ہے۔اب ان فائلز پہ احتیاط سے اپلائی کر رہی ہوں وہ طریقہ۔بہت سی چیزیں اب بھی نہیں معلوم سو کچھ دن لگیں گے۔شاید مہینے۔مگر ہو جائے گا!''وہ پرامید

تھی۔

ان سے چند کوس دور قصرِ کاردار کا لاؤنج پورا روشن تھا اور اوپر سے نوشیرواں چہرے پہ ڈھیروں بےزاری سجائے، سستی سے زینے اتر رہا تھا۔ جمائی روکتے وہ نیچے آیا اور صوفے پہ ڈھیر ہو گیا۔ آنکھوں کے گلابی پن سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ڈرگز استعمال کر رہا تھا۔

''ممی کہاں ہیں فیونا؟'' فیونا سامنے آئی تو اس نے پکارتے ہوئے میز پہ پیر رکھے اور موبائل چہرے کے سامنے کیے فیس بک کھولنے لگا۔

''مسز کاردار اور ہاشم صاحب صبح سری لنکا کے لئے نکلے تھے۔ ان کی کوئی میٹنگ تھی۔ اور ایک سیمینار بھی تھا۔''

''ہوں۔'' وہ خاموشی سے بیٹھا موبائل دیکھتا رہا۔ شہرین کی ساری ٹائم لائن چیک کی۔ ایک ایک پوسٹ پڑھی مگر پھر بےزار ہو گیا۔ سر جھٹک کر چہرہ اٹھایا تو مرکزی دیوار پہ بڑا سا وکٹورین ڈیزائن کا فریم آویزاں دیکھا جس میں وہ چاروں کھڑے مسکرا رہے تھے۔ اورنگزیب، ہاشم، جواہرات اور وہ خود۔ شیرو اسے تکنے گیا۔ مکمل فیملی گروپ فوٹو۔

ایک خیال نے ذہن پہ ہلکی سی دستک دی۔ کیا یہ مکمل گروپ فوٹو تھا؟ مگر فیملی تو مکمل نہ تھی۔ کسی معمول کی طرح اس نے موبائل اسکرین کو چھوا۔ سرچ کے خانے میں لکھا 'علیشا کاردار' اور کچھ بھی سوچے بنا کلک کر دیا۔

فہرست میں پہلے نام کی بریکٹس میں لکھا تھا (Ants EverAfter)۔ جس زمانے میں گھر میں اس لڑکی کے نام پہ جواہرات اور اورنگزیب میں لڑائی ہوتی تھی، تب اس نے سرچ کیا تھا اس کو۔ شاید اسی لئے اس کا نام اب بھی نکل آیا تھا۔ سرِ فہرست۔ نوشیرواں نے پروفائل کھولی۔ کور فوٹو پہ کلک کیا۔ وہ دو ہفتے قبل لگائی گئی تھی۔ پہلے سے ذرا بڑی بڑی اور مسکراتی ہوئی علیشا، کتابیں لئے، کسی یونیورسٹی کے باہر کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں... شیرو نے اسکرین کو زوم ان کیا.... بالکل اورنگزیب جیسی تھیں۔ نوشیرواں جیسی۔ فارس جیسی۔

کتنے ہی پل بیت گئے۔ وہ یونہی گردن ترچھی کیے اس کی تصویر دیکھتا رہا۔ وہ rehab سے صحت یاب ہو کر آ گئی تھی اور اب تعلیم حاصل کر رہی تھی، یہ تصویر سے واضح تھا۔ بغیر کسی دوسرے خیال کو ذہن میں لائے، شیرو نے فرینڈ ریکویسٹ کے آپشن کو کلک کر دیا۔

''دوستی کی درخواست بھیج دی گئی ہے۔'' فیس بک نے ادب سے اطلاع دی۔ وہ عجیب سا محسوس کرنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہ شاہ پہ مرے ہم، نہ شاہ سے ڈرے ہم !

کچھ عجیب گر نہ ہوتے، شاہکار بن کے جیتے

کولمبو کی پرنم، بھیگی ہواؤں میں اس شام عجیب سا جوش تھا۔ جو مایوسی کی انتہا پہ پہنچنے والوں کو نئے دن کے سورج کی امید دلایا کرتا ہے۔

ایسے میں اس طویل قامت ہوٹل کی عمارت کی ایک کھڑکی سے اندر جھانکو تو بیڈ پہ نیم دراز آبدار کتاب پڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔ بال اسکارف سے آزاد لمبے اور سرخ رنگ کے تھے۔ چمکتا ہوا سرخ بھورا رنگ۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ دھرا موبائل خاموش تھا۔ اس پہ ہاشم کی پچھلے سات دنوں میں سات کالز آئی تھیں جو اس نے نہیں اٹھائی تھیں۔ خاور کی ایک ہی تھی جو اس نے سن کر بے رخی سے صرف اتنا کہا تھا۔

''ابھی وہ دن نہیں آیا جب ہاشم کاردار مجھ پہ حکم چلا سکے' جب مرضی ہوگی چلی جاؤں گی۔'' اور کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا۔

اب بھی پڑھتے پڑھتے اس نے اچانک دراز کھولا اور وہ مڑا تڑا سا کاغذ نکالا۔ ہمن۔ اس کا کیا مطلب تھا؟ وہ الجھ کر اس تصویر پہ ہاتھ پھیرنے لگی....

زیرِ زمین جاؤ تو سعدی کے کمرے کے باہر بنے لاؤنج میں ہاشم، گرے سوٹ، ٹائی اور مسحور کن پرفیوم میں لپٹا، ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ جبکہ جواہرات درز دیدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی' پرس نیچے رکھتی' دوسری کرسی پہ بیٹھ ہی تھی۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ مگر آنکھوں میں شدید کوفت تھی۔

سعدی سامنے آ کھڑا ہوا تو وہ بدقت مسکرائی۔ نزاکت سے ماتھے پہ آئے بال انگلی سے پیچھے جھٹکے اور سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ ''تم کیسے ہو سعدی؟ مجھے خوشی ہے کہ تم نے درست راستے کا انتخاب دیر سے ہی سہی' مگر کر لیا۔''

وہ سفید ٹی شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس تھا۔ چہرے پہ سنجیدگی اور آنکھوں میں نرمی تھی۔ ذرا سا مسکرایا۔ ''میں ٹھیک ہوں مسز کاردار۔ کیا آپ نے مجھے کبھی مس کیا؟'' پھر مقابل کرسی پہ بیٹھا اور ایک نظر ہاشم پہ ڈالی جو سنجیدہ اور سپاٹ نظر آ رہا تھا۔

''کیوں نہیں۔ تم ہمارے بہت اچھے دوست تھے سعدی!''

''میں اب بھی آپ ہی کا دوست ہوں۔'' اس نے جواہرات کی آنکھوں میں دیکھ کر یاددہانی کروائی۔

''کام کی بات پہ آؤ سعدی۔ تمہیں کیا چاہیے؟ ممی کو بمشکل میں نے ساتھ آنے پہ راضی کیا ہے۔ اگر اس میں پھر تمہاری کوئی گیم ہوئی تو...''

''شہرین کاردار۔ میری وکیل شہرین تھی۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ''اس کو دی تھی میں نے ویڈیو کی ایک کاپی۔ نیلے رنگ کے لفافے میں ایک سی ڈی ہے جو encrypted ہے۔ اس نے اپنے کمرے کے لاکر میں رکھی تھی۔''

ہاشم بری طرح چونکا تھا۔ ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔ ایک نظر جواہرات کو دیکھا جو دوسری جانب یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ ''میری ادھر کیا کر رہی ہے؟'' میری کچن کی چوکھٹ پہ سر جھکائے کھڑی تھی۔

''شہری؟ شہری نے.... تم سچ بول رہے ہو؟''

''میں جھوٹ نہیں بولتا تمہیں پتہ ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسی انداز میں بولا تھا۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

''میری ادھر کیسے ہاشم؟'' جواہرات کسی خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔ بے یقین نگاہیں میری پہ جمی تھیں۔

''میری کو ہاشم نے میری دیکھ بھال کے لئے رکھ لیا ہے مسز کاردار۔ فکر نہ کریں۔ ہمارا بہت اچھا وقت گزر رہا ہے یہاں۔'' مسکرا کر اطلاع دی تو جواہرات ایک دم گم صم سی اسے دیکھنے لگی۔

''کام کی بات پہ آؤ سعدی۔ تمہارا پیکج؟''

''میں نے آپ کو یہاں کچھ اور بتانے کے لئے بلایا ہے۔'' ہاشم کے چہرے پہ برہمی ابھری۔

''تمہاری گیمز نہیں ختم ہوں گی' ہاں؟ میں جا رہا ہوں۔'' وہ بے زار سا کھڑا ہوا ہی تھا کہ سعدی نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تمہارے باپ کی موت طبعی نہیں تھی۔ اسے قتل کیا گیا تھا۔''

لمحے بھر کو ہر شے ساکت ہوگئی۔ باہر بہتا سمندر' تیز چلتی نم ہوا' ہاشم کی آنکھیں۔ اور جواہرات کی دھڑکن۔

''کیا بکواس ہے یہ؟'' وہ بیٹھا نہیں' انداز میں غصے سے زیادہ تعجب تھا۔

''تمہارے باپ کا چہرہ مرتے وقت بے حد سفید تھا۔ تم نے ڈاکٹر سے بھی پوچھا تھا مگر ڈاکٹر نے تم سے جھوٹ بولا۔ اس نے کہا یہ استھما کی وجہ سے ہے۔'' وہ بھی کھڑا ہو گیا۔ لمحے بھر کے لئے ہاشم کی آنکھوں سے نگاہیں ہٹائے بغیر۔ ''مگر ڈاکٹر بک چکا تھا۔ تم نے بھی یقین کر لیا' کیونکہ تمہارے نزدیک یہ ناممکن تھا کہ تمہارے ناقابلِ تسخیر باپ کو' تمہارے دیوتا جیسے باپ کو کوئی قتل کر سکے۔ قتل تو ہم چیونٹیوں جیسے لوگ کیے جاتے ہیں۔ پیر کے نیچے مسلے جاتے ہیں۔ آج میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہارا باپ بھی قتل ہوا تھا۔''

جواہرات ایک دم کھڑی ہوئی۔ وحشت سے دور کھڑی میری کو دیکھا۔ اور پھر سعدی کو جو ہاشم کے مقابل کھڑا تھا۔ اس نے ہاشم کا چہرہ دیکھا' وہ برہم تھا' متعجب تھا اور ....اور وہ چونکا ہوا بھی لگتا تھا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

''تمہارے آفس آ کر بھی تم سے سب سچ بولا تھا میں نے ہاشم۔ تم مجھے جانتے ہو۔ میں ثبوت اور گواہ دیکھ چکا ہوں' اسی لئے کہہ رہا ہوں۔ تمہارے باپ کو قتل کیا گیا تھا' اور جانتے ہو کس نے قتل کیا انہیں؟'' وہ ہلکا سا مسکرایا' ایک سرد تپتی نگاہ سفید چہرے والی جواہرات پہ ڈالی۔

وہ نمک کا مجسمہ بنی کھڑی تھی۔ بے یقین' خوفزدہ..... یہ کچھ کرنے کا وقت تھا۔ وہ بے ہوش ہو جائے' طبیعت خرابی کا کہہ کر ہاشم سے کہے کہ وہاں سے نکلیں.... اسے سعدی کو خاموش کروانا تھا.. مگر وہ جانتی تھی ہر شے بے سود تھی۔

''ہاشم یہ جھوٹ بول رہا ہے' اس کی بات مت سنو۔'' بدقت وہ بڑبڑائی۔ دل ڈوب رہا تھا۔ مگر ہاشم نے نہیں سنا۔ اس کا غصہ کم ہو رہا تھا' اور وہ چونک کر سعدی کو دیکھ رہا تھا۔ ''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''جاؤ' اپنے ڈاکٹر کی کنپٹی پہ پستول رکھو اور اس سے پوچھو کہ کس نے رپورٹ بدلنے کا حکم دیا تھا؟ وہ بھی اسی کا نام لے گا جس کا نام میں لوں گا۔ بتاؤں' کون ہے وہ؟''

''ہاشم!'' جواہرات کی آنکھوں میں آنسو آ ٹھہرے۔ وہ صرف ہاشم کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ سعدی کی آنکھوں میں دیکھتے کسی ٹرانس میں تھا۔ وہ بے یقین نہیں تھا' مگر وہ شک میں تھا۔ ''تم میرے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہے ہو' مجھے معلوم ہے سعدی!''

''مگر تمہاری آنکھیں کہہ رہی ہیں کہ تم اس شخص کا نام جاننا چاہتے ہو۔ تو میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کس نے قتل کیا تمہارے باپ کو۔'' پھر سے ایک کاٹ دار نظر جواہرات پہ ڈالی۔ ''تمہارے باپ کو اس نے مارا ہے' جس کے ساتھ تم ایک چھت تلے رہتے ہو۔ قاتل تمہارے گھر میں سے ہی ہے....''

جواہرات کو لگا' سعدی نے زنجیر کا پھندا اس کی گردن میں ڈال رکھا ہے اور اب آہستہ آہستہ زنجیر گھما رہا ہے۔ گویا کھینچنے ہی والا ہو۔

''کس کی بات کر رہے ہو؟''

''ہاشم... اس کو مت سنو!'' اس کا گلا رندھ گیا۔

''وہ جس کو تم سے محبت کا دعویٰ ہے... تمہاری خیر خواہی کا دعویٰ ہے' تم سے دوستی کا دعویٰ ہے... جس پہ تم بہت اعتماد کرتے ہو... اس نے تمہیں دھوکہ دیا ہے ہاشم کاردار!''

جواہرات کی آنکھوں کے آگے اندھیرے چھانے لگے۔ اس کا سانس رک چکا تھا۔ گردن کے گرد زنجیر تنگ ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

''کون؟ کس کی بات کر رہے ہو؟'' وہ اب بھی شک و شبے مگر تھمے سانسوں کے ساتھ سعدی کو دیکھ رہا تھا۔ سعدی ایک قدم مزید آگے بڑھا' ہاشم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مسکرایا۔ ''خاور۔ کرنل خاور نے قتل کیا ہے تمہارے باپ کو۔''

اور چند فلور اوپر۔۔۔ بیڈ پہ نیم دراز سرخ بالوں والی لڑکی کاغذ کو دیکھتی ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھی۔ اس کی بلی جیسی آنکھیں چمکی تھیں۔

''میں اسے غلط دیکھ رہی تھی۔ یہ کانٹا نہیں ہے۔'' وہ دبے دبے جوش سے بڑبڑائی تھی۔ ''یہ کراس ہے۔ صلیب ہے۔ اور یہ لفظ... یہ ہمن نہیں ہے... یہ... یہ ہامان ہے۔'' اس کے ابرو اٹھے۔ ''اور ہامان کون تھا؟''

وہ چونکی۔ ''فرعون موسیٰ کا وزیر... اس کا دست راست... اس کے سارے کام سرانجام دینے والا... اس کی حفاظت کرنے والا۔'' وہ متعجب ہوئی۔ اتنے دن بعد اس نے بالآخر وہ پیغام ڈی کرپٹ کر لیا تھا جو کہہ رہا تھا.....

''ہامان کو... سولی چڑھا دو!''

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)